بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِن تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

# الفرقان

احمد نگر — ربوہ


جلد ۲ — نمبر ۱۰

اکتوبر ۱۹۵۲ء

چندہ سالانہ
پانچ روپے

قیمت فی پرچہ
آٹھ آنے



ایڈیٹر
ابو العطاء الجالندھری

# الفہرست


| نمبر شمار | عنوان مضمون | مضمون نگار | نمبر صفحہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | سزا یوں کے متعلق قانونِ ربانی (قرآن مجید کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کا جائزہ) | ایڈیٹر | ۳ |
| ۲ | اسلامی شریعت کامل اور دائمی ہے (سکھر کے ایک بھائی کے چار سوال اور ان کے جواب) | " | ۸ |
| ۳ | اسلام کی بنیادی اقدار کے متعلق پروفیسر فلپ حتی کے نظریات کی تردید | جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپور | ۱۱ |
| ۴ | قیامِ امن اور استحکامِ سلطنت کے لئے تخریبی عناصر کو قانون قدرت کے مطابق عبرتناک سزا ملنی ضروری ہے۔ | جناب چودھری احمدالدین صاحب پلیڈر گجرات | ۱۹ |
| ۵ | مسئلہ تعدد ازدواج پر ایک سوال اور اس کا جواب | جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاور | ۲۶ |
| ۶ | الہامی کتاب کی صداقت پرکھنے کے معیار | ابوالعطاء | ۲۹ |
| ۷ | البینات (قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ) | ایڈیٹر | ۳۱ |
| ۸ | حضرت آدمؑ کا واقعہ تمثیلی زبان میں بیان ہوا ہے۔ | مکرم کمال یوسف صاحب مولوی فاضل | ۳۵ |
| ۹ | شذرات:- (۱) مودودی جماعت نہ حنفی ہے نہ اہلحدیث (۲) مولانا ابوالکلام آزاد کے فیصلہ کا اثر (۳) مودودی جماعت کے جماعتی تعصبات (۴) اسمٰعیلیوں کے عقائد و اعمال (۵) طلوع اسلام سے فرودی سوال | ایڈیٹر | ۳۷ |


## رسالہ طلوعِ اسلام اور ترجمان القرآن کے اعتراضات کے جواب

احباب کو معلوم ہے کہ منکرین حدیث اور مودودیوں کے مندرجہ بالا دونوں رسالوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف غلط اعتراضات کی اشاعت کا اہتمام کر لیا ہے۔ عام طور پر ایسے رسالہ جات کا طریق یہ ہوتا ہے کہ اعتراض کرتے رہتے ہیں جب جواب دیا جائے تو چپ سادھ لیتے ہیں۔ طلوع اسلام نے گذشتہ سال بڑے طمطراق سے پانچ استفسارات شائع کئے اور مطالبہ کیا کہ ان کا جواب قرآن مجید کے رُو سے دیا جائے لیکن جب الفرقان میں آیاتِ قرآنیہ کے رُو سے ان استفسارات کا جواب لکھا گیا اور بار بار مطالبہ ہوا کہ یا تو جواب کو تسلیم کریں یا ان کا جواب الجواب لکھیں تو صدا برنخواست کا معاملہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ الفرقان میں ان معترضین کا خاص طور پر اور بالالتزام جواب شائع کیا جائے۔ احباب سے درخواست ہے کہ ان میں سے اہل قلم حضرات اپنے رشحاتِ قلم سے اور دوسرے احباب مالی طور پر توسیعِ اشاعت کے ذریعہ اعانت فرمائیں تا یہ رسالہ بہترین صورت میں ان حلقوں تک پہنچایا جا سکے جن تک مخالف رسالوں کا معاندانہ پروپیگنڈا پہنچ رہا ہے۔ وباللہ التوفیق +

ایڈیٹر الفرقان

طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۴ | الفرقان - اکتوبر ۱۹۵۴ء | نمبر ۱

# عذابوں کے متعلق قانونِ ربانی!

## قرآن مجید کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کا جائزہ

قرآن کریم مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی تمام ضروریات کا اصولی علاج موجود ہے۔ دُنیا و آخرت کے بارے میں مکمل دینی معلومات جمع ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی و تنزل اور دوبارہ عروج کی پیشگوئیاں درج ہیں۔ دُنیا کے اہم انقلابات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ الغرض قرآن کریم مسلمانوں کے لئے ہر پہلو سے کامل شریعت اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔

اِس وقت دُنیا ایک نئے اور نہایت دُور رس نتائج والے انقلاب کے دروازے پر ہے۔ دُنیوی نظاموں میں ایک ہولناک کشمکش جاری ہے۔ مذہبیت اور لامذہبیت میں ایک فیصلہ کن جنگ درپیش ہے۔ شیطان کی فوجیں پوری قوت سے اسلام سے برسرِ پیکار ہیں۔ مسلمان اِس وقت جس بے عملی اور غفلت کا شکار ہو رہے ہیں وہ ایک عام آدمی کے لئے مایوس کن حالت ہے۔ دوسری طرف صاف نظر آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قہری تجلیات عذاب کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہیں اور دُنیا کے انسان ہلاکت کی لپیٹ میں آ رہے ہیں۔ مادہ پرست غور کرتے ہیں کہ یہ صورتِ حال کیوں پیدا ہوئی اور اس سے بچنے کا کیا طریق ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ "مادہ پرستی میں گھری ہوئی عقلِ انسانی حوادث کے پس پردہ کام کرنے والے عذابِ الٰہی کے قانون کو نہیں پا سکتی"۔ اِس قانون کا پتہ خدا تعالیٰ کی کامل کتاب قرآن مجید سے ہی لگ سکتا ہے۔

گزشتہ دنوں ہمارے مُلک میں جو تباہی آئی اسکا اجمالی ذکر ترجمان القرآن ماہ اکتوبر ۱۹۵۴ء کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:-

"پاکستان کے دونوں بازو آج ایسے ہولناک سیلابوں سے دوچار ہیں جن کی مثال گزشتہ ایک صدی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ صدہا میل کا لمبا چوڑا علاقہ زیرِ آب ہے۔ ایک طرف سے اگر خبر آتی ہے کہ پانی گھٹنا شروع ہوا ہے تو معاً دوسری جانب سے اطلاع ملتی ہے کہ سطحِ آب اور اونچی ہو رہی ہے۔ پہلا پانی اپنے بہاؤ کے لئے راستہ پا نہیں چکتا کہ اُوپر سے کالی گھٹائیں سمندر کے سمندر اور انڈیل دیتی ہیں۔ کیفیت بالکل "آب از سر گذشت" کی ہے۔ تقریباً چار کروڑ افراد بلاواسطہ اِس سیلاب کے ریلوں کی زد میں آ گئے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی پوری آبادی اور مغربی پاکستان کا بھی ایک ایک فرد اس کی تباہ کاریوں کے نتائج میں حصہ دار ہے۔

مکانات اور جھونپڑے تباہ ہو رہے ہیں اور خس و خاشاک بن کر بہہ گئے ہیں، فصلیں زیرِ آب ہیں، مویشی ہلاک ہو گئے ہیں، کھانے پینے کی اشیاء

کی تباہی نے "مفلسی میں آٹا گیلا" کا سماں پیدا کر دیا ہے۔ معصوم بچوں کی ایک کثیر تعداد کو موجوں نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ سانپوں اور بچھوؤں نے انسانی جانوں پر الگ یورش کر رکھی ہے۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ چڑیوں کی طرح درختوں کی شاخوں پر بسیرا لئے ہوئے ہیں۔ دھوپ، ہوا اور بارش سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ حتیٰ کہ تن ڈھانکنے کو ہمارے ہزاروں بھائی بہنیں ایک ایک چیتھڑے کے محتاج ہیں۔ یہ صبر آزما آزمائش گھنٹے دو گھنٹے کی نہیں، دو چار روز کی نہیں بلکہ معاملہ ہفتوں سے گزر کر مہینوں کی گنتی کی طرف جا رہا ہے۔"

مدیر ترجمان القرآن اس عذاب الٰہی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"آج جس مصیبت سے ہم دوچار ہیں اس کا تازیانہ کھا کر چاہیئے کہ ہماری آنکھیں کھل جائیں اور ہم اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے کر اس میں تبدیلی پیدا کریں۔ خدا کے سامنے اپنے گناہ کے لئے ندامت کے آنسو پیش کریں اور آئندہ کے لئے بندگی و طاعت کا نیا پیمان استوار کریں۔"

ظاہر ہے کہ یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ ایسے تازیانے کب اور کیوں پڑا کرتے ہیں؟ اس کے لئے ہمیں قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ وہ کامل کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۔ (الانعام: ۴۲) کہ تجھ سے پہلے بہت سی اُمتوں کے پاس ہم نے اپنے رسول بھیجے (پھر ان کی تکذیب کے باعث) ہم نے ان اُمتوں کو عذابوں اور دکھوں میں مبتلا کیا تا وہ تضرع و زاری سے کام لیں۔ پھر فرمایا۔ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۔ (المومنون: ۷۶) کہ ہم نے منکرین پر عذاب بھیجا مگر وہ اتنے سنگدل تھے کہ باوجود اس کے وہ اللہ تعالیٰ کے آگے نہ جھکے نہ انہوں نے عاجزی کی۔ تیسری آیت میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۔ (الاعراف: ۹۴) کہ جب بھی کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا تو ان بستیوں کے باشندوں کی شرارتوں کے باعث) ہم نے ان لوگوں پر عذابوں اور دکھوں کے ذریعہ گرفت کی تا وہ اپنی سرکشی اور تمرد سے باز آئیں۔ چوتھی جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ (الروم: ۴۱) کہ خشکی اور تری پر فساد نمودار ہو گیا ہے کیونکہ لوگوں کے اعمال خراب ہو چکے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی بعض بد اعمالیوں کا انہیں مزہ چکھائے گا تا وہ حق کی طرف رجوع کریں۔

ان چار آیات پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اسلئے آتے ہیں تا لوگ بیدار ہو کر اپنی بد اعمالیوں سے توبہ کریں۔ یہ عذاب اس وقت آتے ہیں جب لوگ شرارتوں اور فسادوں میں انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ نبیوں کے آنے کے ساتھ اتمام حجت ہو جاتی ہے۔ جب لوگ ان کی تکذیب کرتے ہیں، ان کے درپے آزار ہوتے ہیں اور انہیں طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتے ہیں تب خدا تعالیٰ کی تجلی نمودار ہوتی ہے اور انسانوں پر ہولناک تباہی لاتی ہے۔ یہ ان آیاتِ قرآنیہ کا خلاصہ ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے عذابوں کے متعلق اپنے قانون کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عذاب تو لوگوں کی بدکرداریوں اور بداعمالیوں کے نتیجہ میں آتا ہے تاہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ مجرموں کو نبیٔ وقت کے ذریعہ تازہ تنبیہہ کرتا ہے تا وہ

توبہ کریں اور رجوع لائیں لیکن مجرم لوگ اُلٹے نبیوں اور اُن کی جماعتوں کو برباد کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدائی عذاب ان مجرموں پر نازل ہو جاتا ہے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان القرآن لکھتا ہے کہ "حادثات خدا کی گورنمنٹ کا پولیس ایکشن ہیں"۔ قرآن مجید صراحتاً فرماتا ہے کہ ہم اس "پولیس ایکشن" سے پہلے تازہ وارننگ (warning) ضرور دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی سُنّت بیان فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا

(الاسراء: ۱۵)

یہ بات ہماری شان کے شایاں نہیں کہ ہم کسی رسول کے مبعوث کرنے سے پہلے لوگوں کو عذاب دیدیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔ (طٰہٰ: ۱۳۴) کہ اگر ہم ان لوگوں کو اس رسول کے بھیجنے سے پیشتر ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب! اے کاش کہ تو ہمارے پاس اپنا کوئی رسول مبعوث فرماتا تاکہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے پہلے تیری آیات و احکام کی پیروی کر لیتے"۔

قرآن مجید کے اس بیان سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے سے پیشتر ہمیشہ ہی کسی رسول کو مبعوث فرماتا ہے۔ قوموں اور ملکوں کی تباہی سے قبل ضرور کوئی نذیر آکر انذار کرتا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے جو ابتداءِ آفرینش سے جاری ہے۔ چنانچہ مدیر ترجمان القرآن نے بھی لکھا ہے کہ:-

"بسا اوقات کسی کشتی کو مشیت ایسی گرداب میں لا پھنساتی ہے کہ اس کے سواروں کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اُٹھ جائیں۔ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ظہور پر بھی ایک موقع ایسا آیا تھا کہ قریش اور آس پاس کے قبائل مشکلات میں گھر گئے۔ یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے کہ انبیاء کے مخاطبین جب دعوتِ حق کے مقابلے میں سنگدلی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو نرم کرنے کے لئے مصائب بھی نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف رکوع ۱۱ میں فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ (اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ مبتلا کیا ہو ہم نے انہیں سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑائیں)۔

خوش قسمت ہوتی ہے وہ قوم جو نعمت پاکر شکر کا حق ادا کرنے کے بعد کم سے کم مصیبت کے نازل ہو جانے پر ہوش میں آجائے اور بدنصیب ہے وہ گروہ انسانی جسے حادثات کے تازیانے بھی خواب غفلت سے چونکا نہ سکیں حتی کہ غضب الٰہی کا کوئی آخری ریلا آئے جو اسے بہا لے جائے" (اکتوبر ۱۹۵۳ء صفحہ ۹)

اب مسلمانان پاکستان و ہندوستان کے لئے خدا ترس دل کے ساتھ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک طرف یہ سُنّت اللہ ہے یہ آیات قرآنیہ ہیں۔ دوسری طرف حالت یہ ہے کہ مسلسل اور پیہم قحط، وبائیں اور قیامت خیز طوفان اور دیگر آفات ملک کو تباہ کر رہے ہیں، دنیا کو جھنجوڑ رہے ہیں اور تیسری طرف صورت حال یہ ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ فرستادہ نے قریباً نصف صدی پیشتر یہ اعلان فرمایا تھا کہ:-

"وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ

دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اسلئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے۔ اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی۔ پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں اُن پر رحم کیا جائیگا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا۔ یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔ اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اسکی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی۔ اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶ — ۲۵۷)

۲۔ "پہلے زمانوں میں بھی نادان لوگوں نے ہر ایک نبی کو منحوس قدم سمجھا ہے اور اپنی شامتِ اعمال ان پر تھاپ دی ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ نبی عذاب کو نہیں لاتا بلکہ عذاب کا مستحق ہو جانا اتمام حجت کے لئے نبی کو لاتا ہے۔ اور اس کے قائم ہونے کے لئے ضرورت پیدا کرتا ہے اور سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو! تلاش تو کرو شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو" (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۹)

۳۔ اپنی وفات سے دو دن قبل حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بنی نوع انسان کو توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:۔

"دنیا پر طرح طرح کے ابتلا نازل ہو رہے ہیں۔ زلزلے آ رہے ہیں، قحط پڑ رہا ہے اور طاعون نے بھی ابھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور جو کچھ خدا نے مجھے خبر دی ہے وہ بھی یہی ہے کہ اگر دنیا اپنی بد عملی سے باز نہیں آئیگی اور بُرے کاموں سے توبہ نہیں کرے گی تو دُنیا پر سخت سخت بلائیں آئیں گی۔ اور ایک بلا ابھی بس نہیں کرے گی کہ دوسری بلا ظاہر ہو جائے گی۔ آخر انسان نہایت تنگ ہو جائیں گے کہ یہ کیا ہونے والا ہے اور بہتیرے مصیبتوں کے بیچ میں آکر دیوانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ سو اے ہم وطن بھائیو! قبل اس کے کہ وہ دن آویں ہوشیار ہو جاؤ۔" (رسالہ پیغام صلح صفحہ ۲۶)

یہ اقتباسات اپنے مفہوم میں نہایت واضح اور بیّن ہیں، ان میں فرستادۂ ربانی نے بروقت انتباہ کیا ہے اور آنے والی بلاؤں کے متعلق پوری صراحت کے ساتھ انذار کیا ہے۔ حالات نے نہ صرف ان پیشگوئیوں کی تصدیق کی ہے بلکہ قرآن مجید کے بیان کردہ قانون دربارہ عذاب الٰہی کی صداقت پر بھی مُہر کر دی ہے۔ بے شک یہ حالات رنجدہ ہیں، ان میں انسانیت کی الم انگیز داستان پنہاں ہے مگر دوسری طرف اللہ تعالےٰ کی یہ قہری تجلیات قرآن مجید کے زندہ اور عالمگیر کتاب ہونے پر ایک درخشندہ دلیل ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے نشانات سے عبرت حاصل کریں اور اسکے عذاب کو دیکھ کر توبہ اور تضرع کے طریق کو اختیار کریں کیونکہ یہی ہولناک دن کے دُکھ سے بچائے جائیں گے۔

## "الہامی کتاب کی صداقت پرکھنے کے معیار"

(بقیہ از صفحہ ۳)

یہ ہو سکتا ہے کہ دیکھا جائے کہ اس میں اس کے پیروؤں کو تمام دُنیا کے افراد سے کس طرح سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر اس میں یہ ذکر نہیں تو پھر یہ کتاب خدا کی نازل کردہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے اور ساری دُنیا اس کی مخلوق ہے۔ جب تک وہ کتاب ساری مخلوق کے باہمی تعلقات پر روشنی نہ ڈالے کیونکر الٰہی کتاب ہو سکتی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہر ایک کے متعلق حکم دیا ہے مثلاً اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ میں نہ صرف خالق سے بلکہ مخلوق سے جو تعلق چاہیئے اس کا بھی اصول بتایا ہے۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

---

## سُورۂ مریم کے مختصر تفسیری نوٹ

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے گزشتہ سال کے درس القرآن کے سورۂ مریم کے تفسیری نوٹ جن کا بیشتر حصہ الفرقان کے علاوہ دیگر اخبارات میں بھی چھپ چکا ہے مکمل صورت میں شائع ہو رہا ہے۔ محدود تعداد میں یہ نوٹ چھپوائے گئے ہیں۔ اگر آپ اس قیمتی روحانی خزانہ کو لینا چاہیں تو ۵ار نومبر سے پہلے پہلے قیمت اور اخراجات ڈاک کیلئے ایک روپیہ بھیج کر اپنا نام خریداروں کی فہرست میں درج کروا لیں۔

مینجر الفرقان
ربوہ

# اسلامی شریعت کامل اور دائمی شریعت ہے!

## سکھر کے ایک بہائی کے چار سوال اور اُن کے جواب

قرآن مجید کا کامل شریعت ہونا اس کا ناقابلِ منسوخ شریعت ہونا وہ بنیادی پتھر ہے جہاں پر مخالفینِ اسلام بہائیوں اور غیر بہائیوں کی مزعومہ باطل شریعتیں پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ بہائی لوگ اپنی شریعت الاقدس کو ابھی تک چھپاتے پھرتے ہیں' اسے چھپوانے اور شائع کرنے کا نام نہیں لیتے۔ ہاں ان کے مبلغ عام مسلمانوں میں اسلامی شریعت کے متعلق وسوسہ اندازی کی تبلیغ کو اپنا بڑا کارنامہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی جزئیہ ایسا پیش کریں جس سے لوگ بددل ہو جائیں اور انہیں خیال پیدا ہو جائے کہ ہماری شریعت میں اس جزئیہ کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے۔ ایسی ہی ایک ناکام کوشش ذیل کے خط میں کی گئی ہے جو سکھر کے ایک بہائی نے ایک مسلمان کو لکھا ہے۔

**بہائی کا خط** "میں ذیل میں چار باتیں عرض کرتا ہوں۔ آپ غور فرمائیں کہ آیا شریعتِ اسلامی میں اصلاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔ یہ صرف مثالیں ہیں تاکہ مدعا اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

اوّل:- ایک شخص جو تعلیم یافتہ مسلمان ہے عید کا چاند دیکھتا ہے۔ اسکی بیوی بھی جو خاص تعلیم یافتہ ہے چاند یا ہلالِ عید کا ملاحظہ کرتی ہے۔ وہ جا کر اسلامی حکومت میں قاضی کے روبرو کہتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے چاند ملاحظہ کیا ہے لہذا کل کو عید کا فتویٰ دیجئے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت ہے شریعت کے نزدیک عورت کی شہادت مرد سے نصف ہے لہذا ایسا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ ہر شرعی معاملہ میں اسکی شہادت مرد سے نصف مانی جائیگی۔ ہلالِ عید سے مخصوص نہیں ہر معاملہ میں شریعتِ اسلامی عورت کی شہادت مرد سے آدھی ہی قرار دیتی ہے جو فی زمانہ ناقابلِ قبول ہے۔ اس کے مقابل شریعتِ بہائیہ اس کو مرد کے برابر شہادت کا حق دیتی ہے۔

دوم:- ایک آدمی زید اپنے بیٹے عمر اور بکر کے ساتھ جیپ کے حادثہ ریل میں زخمی ہو گئے ہیں۔ زید بڈھا آدمی ہے اور اس کا بڑا بیٹا عمر اور چھوٹا بیٹا بکر بھی سخت زخمی ہو کر ہسپتال بھیجے جاتے ہیں۔ ہسپتال میں جا کر عمر تو مر جاتا ہے' دوسرے روز زید بھی مر جاتا ہے تیسرے روز بکر بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اب زید کی دولت کی تقسیم ہوتی ہے تو شریعتِ اسلامی عمر کی اولاد کو محروم قرار دیتی ہے کیونکہ وہ بڈھے کی زندگی ہی میں فوت ہو چکا ہے اور ساری جائداد بکر کے لڑکوں کو دیدی جاتی ہے اور محض اس وجہ سے کہ عمر ایک روز پہلے مرا ہے عمر کی اولاد ایک حبہ نہیں پاتی اور نانِ شبینہ کو محتاج ہو جاتی ہے۔ یہ خدا کی اس شریعت کا حکم ہے جس سے بہتر شریعت آ ہی نہیں سکتی۔ قائم

سوم:- اسی جیپ کے حادثہ والی ریل میں ہندہ کا مرد سفر کر رہا تھا ہندہ کی شادی کو ایک ہی سال ہوا ہے اور وہ بالکل جوان ہے مگر ہندہ کو اپنے مرد کا پتہ نہیں چلتا نہ اسکی لاش ملی ہے اور نہ اس بات کی کوئی شہادت موجود ہے کہ وہ حادثہ میں مر چکا ہے۔ تو بتاؤ اس عورت کے لئے شریعت اسلامی کیا حکم دیتی ہے؟ کیا وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ اگر کر سکتی ہے تو کتنے عرصہ بعد؟ اس کا جواب اپنی علمیت سے نہ دیویں بلکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیویں تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ شریعت کہاں تک واقعات کا ساتھ دیتی ہے؟

چہارم:- ایک آدمی بدکار ہے اپنے بال بچوں کی دیکھ بھال نہیں کرتا۔ اس کی بیوی اور اس کا باپ اسکی بدکاری سے تنگ کر اس کو مروا دیتے ہیں۔ حکومت قاتل کو پکڑ لیتی ہے اور مقدمہ چلتا ہے۔ شریعت اسلامی کے رو سے قاتل یا تو مارا جائے یا اس کا خون بہا ادا ہو۔ مقتول کے رشتہ دار بیوی' باپ وغیرہ خون بہا لیکر خونی کو معاف کر دیتے ہیں اور آخر کار قاتل خود ہی اپنی شادی مقتول کی بیوی کے ساتھ کر لیتا ہے۔ ایسی شریعت جو اس طرح مجرموں کو پناہ دیوے آج کے وقت قابلِ قبول

نہیں جاسکتی صرف اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔"

**اصولی جواب** اسلامی شریعت نے کچھ اصول و قواعد مقرر فرمائے ہیں اور پھر انسانی عقل کے لئے فکر و اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ محکمات کو خود بیان کر دیا ہے اور متشابہات کیلئے الراسخون فی العلم کو عقل و اجتہاد سے کام لینے کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڼ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران : ۷) کہ اللہ ہی نے آپ پر ایسی کامل کتاب نازل کی ہے جس کا ایک حصہ محکمات ہیں جو بنیادِ شریعت ہیں اور دوسرا حصہ متشابہ احکام ہیں۔ ان کے بارے میں کج دل لوگ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جس سے فتنہ اور ناواجب تاویل کا دروازہ کھولنا مقصود ہوتا ہے حالانکہ ان امور کی حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور راسخ فی العلم لوگ جانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان سب کو اپنے رب کی طرف سے مانتے ہیں اور صرف عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

قرآن حکیم کا یہ اسلوبِ بیان فی ذاتہ اس کے کامل کتاب ہونے پر دلیل ہے۔ اس کے رو سے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اسکا الہام انسان کے فکری ارتقاء اور عقلی عروج کے راستہ میں روک نہیں ہے بلکہ اس کیلئے مدد و معاون ہے۔

دوسرے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ کو مومنوں کے لئے مشعلِ راہ قرار دیا ہے، فرمایا :- وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر : ۷) کہ جن امور کا آپ حکم دیں اُن کو اختیار کرو اور جن سے روکیں ان سے پرہیز رکھو۔ پھر فرمایا :- لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب) تمہارے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں کامل نمونہ ہے۔ گویا اسلامی شریعت میں بنیادی اور اصولی امور تو بطور نصِ قرآن پاک میں موجود ہیں، ان کی عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت میں موجود ہے اور فروعی اور عمومی امور کے لئے قرآن مجید اور سُنتِ نبوی کی روشنی میں انسانی عقل کیلئے قیاس اور اجتہاد کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا ہے۔

اس بیان سے اسلامی شریعت اور اس کی تفصیلات کے معلوم کرنے کا صحیح طریق ظاہر ہے، اس کو اختیار کر کے صاف دل انسان حق کو پا سکتا ہے۔

**سوال اوّل کا جواب** قرآن مجید نے لین دین کے معاملات میں دو عادل گواہ ضروری قرار دیئے ہیں اور ترجیح اس بات کو دی ہے کہ ان معاملات میں دو مرد ہی گواہ رکھے جائیں۔ (وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ) لیکن اگر یہ صورت قابلِ عمل نہ ہو، دو عادل گواہ موجود نہ ہوں تو فرمایا کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ رکھی جائیں۔ اس جگہ قرآن مجید نے دو عورتوں کو ایک مرد کی قائم مقام بنانے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔ یہ لین دین کے معاملات ہیں جو دراصل عورتوں کا حقیقی دائرۂ عمل نہیں ہے اسلئے ہوسکتا ہے کہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اُسے یاد کرا دے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت نہایت حکمت اور حقیقت پر مبنی ہے۔ ہر موقع پر ہر مرد بھی شہادت کا اہل نہیں ہوتا۔ ہر شخص کا اپنا اپنا فن اور اپنا اپنا دائرۂ عمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے اس بیان سے عورتوں کے مقام کا گرانا مقصود نہیں بلکہ لین دین اور قرضہ جات کے معاملات کو صنفِ لطیف کے محیط سے اجنبی قرار دینا مطلوب ہے اسلئے ان معاملات کا عورتوں کے ذہن سے اُتر جانا قرینِ قیاس ہے لہٰذا انہیں یہ سہولت دی گئی کہ دو عورتیں مل کر یادداشت کو تازہ کر کے ایسے اقامتِ

میں شہادت دے سکتی ہیں۔

آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ ایک خاص قسم کے معاملات سے مخصوص صورت ہے اسلئے فقہاء نے بعض دوسرے معاملات میں خالص عورتوں کی گواہی کو بھی تسلیم کیا ہے اور اسے ترجیح دی ہے۔ قضاء میں فیصلہ کے لئے شہادت کے علاوہ دیگر قرائن اور ثبوت بھی تسلیم کئے گئے ہیں۔ رویت ہلال میں موقع کے مطابق شہادت کا فراہم ہونا ضروری ہے بعض حالتوں میں دو چھوڑ چار مَردوں کی شہادت بھی کافی نہ سمجھی جائے گی اور بعض صورتوں میں کم شہادتوں پر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اِس قسم کی باتوں کو اسلامی شریعت میں اصلاح کی ضرورت کے لئے بطور دلیل پیش کرنا محض سطحی خیال ہے۔

**بہائی شریعت اور عورت** | بہائی صاحب نے بہائی شریعت کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جس میں لکھا ہو کہ عورت کی شہادت مرد کے برابر ہے۔ البتہ ہم ذیل میں صرف چند حوالجات درج کرتے ہیں جن میں بہائی شریعت میں عورت کا مقام ظاہر ہو سکتا ہے :۔

(۱) عورتوں کو حج کرنے کی اجازت نہیں ۔ الاقدس میں لکھا ہے :۔ قد حکم اللہ لمن استطاع منکم حج البیت دون النساء۔

(۲) سکنی مکانات اور خاص کپڑے عورتوں کو نہیں مل سکتے جناب بہاء اللہ لکھتے ہیں :۔ وجعلنا الدار المسکونۃ و الالبسۃ المخصوصۃ للذریۃ من الذکران دون الاناث (الاقدس) کہ مرنے والے (باپ، ماں، بھائی خاوند اور بیٹے وغیرہ) کے ترکہ میں سے رہائشی مکانات اور خاص کپڑے صرف نرینہ وارث کو ملیں گے عورتوں کو نہیں مل سکتے۔

(۳) مرد دو بیویاں کر سکتا ہے عورت کو مساویانہ حق حاصل نہیں ۔ جناب بہاء اللہ نے لکھا ہے :۔ قد کتب اللہ علیکم النکاح ایاکم ان تجاوزوا عن الاثنتین (الاقدس)

...."خدا تم کو نکاح کا حکم دیتا ہے لیکن خبردار دو سے زیادہ نہ کرنا" (ضمیمہ بہاء اللہ کی تعلیمات ص۱)

(۴) جناب بہاء اللہ نے بہائیوں کی باگ ڈور اپنے مجوزہ بیت العدل کے سپرد کی ہے جس کے نو ممبر ہوتے ہیں۔ اسمیں رجال (مرد) ممبر ہونگے عورتیں ممبر نہیں ہو سکتیں۔ بہاء اللہ لکھتے ہیں :۔ "امور ملت معلق است برجال بیت عدل" (اشراقات)

(۵) بہاء اللہ کا حکم ہے کہ مرنے کے بعد مرد کے تابوت پر اَور لفظ لکھے جائیں اور عورت کے تابوت پر اَور لکھا ہے یکتب للرجال و للہ ما فی السموات والارض وما بینھما وکان اللہ بکل شیٔ علیما۔ و للورقات وللہ ملک السموات والارض وما بینھما و کان اللہ علی کل شیٔ قدیراً (الاقدس)

اِن حوالجات سے ظاہر ہے کہ بہائیت میں عورت کو مساوی درجہ ہرگز نہیں دیا گیا۔ انسانی مساوات کے ذکر پر عبد البہاء آفندی کہتے ہیں :۔

"منذ الخلیقۃ لم یکن من الممکن ان یتساوی
الناس فبعضھم کانوا ارقی فکراً وعقلاً من
الآخرین والبعض عادین عن العقل والحجی
فکیف یمکن مساواۃ الاشخاص المجتھدین
بغیرھم فالانسانیۃ مثلھا کمثل الجیش
یلزمہ جنرال وضباط وعساکر وکل واحد
منھم لہ وظیفۃ معینۃ ولا یمکن ان
یکون کل الجیش جنرالات او ضباطاً او
عساکر فقط بل یجب ان یکون ھناک درجات"

ترجمہ :۔ ابتداء دنیا سے یہ کبھی بھی نہیں ہوا کہ سب انسان برابر ہو گئے ہیں ۔ کیونکہ بعض زیادہ عقل و فکر رکھتے ہیں اور بعض دوسرے عقل و فہم سے کورے ہوتے ہیں۔ پس کوشش کرنے والے اور دوسرے برابر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ انسانیت کی مثال ایک لشکر کی ہے جس میں جرنیل کپتان اور عام فوجی ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا مقرر کام ہوتا ہے۔ یہ

# اسلام کی بنیادی اقدار کے متعلق پروفیسر فلپ حتی کے نظریات کا رد

(جناب شیخ عبدالقادر صاحب - لائل پور)

پروفیسر حتی زمانۂ حاضرہ کے مشہور مستشرق ہیں۔ ان کی کتاب "ہسٹری آف دی عربز" مجموعی حیثیت سے نسبتاً ایک فراخدل اور وسیع النظر مورخ کا شاہکار ہے۔ پچھلے دنوں آپ پاکستان بھی تشریف لائے۔ پاکستان کے اہلِ علم طبقہ نے ایک فاضل انسان اور اسلامی مورخ کی حیثیت سے آپ کا بڑھ چڑھ کر خیر مقدم کیا۔ صاحب موصوف نے جدید اسلوب کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا جائزہ پیش کیا ہے۔ لیکن چونکہ آپ نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں چاروں طرف اسلام پر یورش ہوئے زوروں پر تھی۔ مسیحی پادریوں اور مستشرقین نے اسلام اور مسلمانوں کی تصویر کے تاریخی خدوخال اس درجہ مسخ کر رکھے تھے کہ پہچاننا بھی مشکل تھا۔ اس کا کچھ نہ کچھ اثر قبول کرنا فطری بات تھی۔ بلکہ زیادہ موزوں ہوگا مگر اس بات کو (جناب نظر زیدی کے الفاظ میں) یوں کہا جائے:۔

"اس بے تعصب مصنف نے جہاں تاریخ کے سمندر میں اُتر کر تحقیق کے موتی تلاش کئے ہیں وہاں غیر ارادی طور پر ان افسانوں سے بھی کچھ نہ کچھ اخذ کیا ہے جو اس کی قوم میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق صدیوں سے مشہور چلے آرہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تحسین و مرحبا کے پھولوں کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں طنز کے نوکیلے کانٹوں کی چبھن بھی محسوس ہوتی ہے۔" (عربوں کا عروج و زوال "دیباچہ")

اس سلسلہ میں جو بات سب سے زیادہ کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ پروفیسر فلپ حتی اسلام کی بنیادی اقدار کو سمجھنے میں ناکام محض رہے ہیں۔ اس بارے میں وہ جو کچھ حیطۂ تحریر میں لائے وہ عیسائی مستشرقین کی ان تحریرات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ جن میں اسلام کے بنیادی امور کو نہایت مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ متعصب عیسائی مستشرقین کا حملہ اسلام پر الٰہ العالمین کے اسمِ ذات "اللہ" سے شروع ہوتا ہے اور اس سے نیچے اُتر کر جو بھی سامنے آیا اس کو ہدف بنانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ مجھے اس احترام کے باوجود جو دنیائے اسلام کے علم دوست لوگوں کے دل میں پروفیسر حتی کا پایا جاتا ہے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ صاحب موصوف نے اپنے اس ماحول کا اثر ضرور قبول کیا ہے۔

باقی امور کو چھوڑ کر اس وقت ہم اسمائے الٰہیہ "اللہ" "الرحمٰن" اور "الرحیم" کو لیتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ عیسائی مستشرقین کی تحریرات سے کچھ کم نہیں۔ اسلامی الٰہیات کے متعلق "مغربی تجرعلمی" کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ مارگولیتھ اپنی کتاب "محمد" میں لکھتے ہیں:۔

"اللہ اصل میں قریش کے خاندانی دیوتا کا نام تھا اسلئے محمدؐ کی توحید پرستی کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے دوسرے قبائل کے دیوتاؤں کو مٹا کر اپنے خاندانی دیوتا کو منوایا۔" (ص۱۹)

پروفیسر فلپ حتی اس نظریہ کو ذرا نرم لیکن زیادہ شاندار الفاظ میں ہمارے سامنے یوں رکھتے ہیں:۔

"مکے کے شہر میں، حجاز کے علاقے میں، نجد کی سطح مرتفع اور نشیبی ساحلی زمین کے درمیانی حائل بنجر ملک میں ایک دیوتا "اللہ" بھی کہلاتا تھا۔ وہ اکیلا دیوتا نہ تھا۔ یہ نام پرانا ہے مکے کے لوگ اللہ کو خالق اور سب سے بڑا رب مانتے

تھے - وہ رب جس سے وہ انتہائی مصیبت
میں مدد مانگتے تھے''[1]

بنظرِ غور دیکھ لیجئے اِن خوبصورت الفاظ کے بین السطور میں وہی مارگولیتھ کا نظریہ جھلک رہا ہے۔

یہی نہیں بلکہ پروفیسر فلپ حتی اس نظریہ کی سند قرآن سے بھی لاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے :-

''قرآن شریف کی متعدد آیات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اسلام سے قبل اہلِ مکہ اللہ کو خالق اور ربِ اعلیٰ اور خاص مصیبت میں امداد مانگنے کے لائق سمجھ کر احترام کرتے تھے معاً[2] معلوم ہوتا ہے کہ اللہ قریش کا قبائلی معبود تھا''[3]

پھر لکھتے ہیں کہ شام کے علاقے سے یہ دیوتا حجاز میں پہنچا جو ملک عرب میں اللہ کی پرستش کا پہلا مرکز بنا۔

''الرحمٰن'' کے متعلق لکھتے ہیں :-

''یہ لفظ جنوبی عرب کے قدیم ترکسی دیوتا کے نام سے لیا گیا تھا''[4]

''الرحیم'' کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :-

''اسی طرح قبل اسلام اور سبائی کتبات میں ''الرحیم'' کا نام بھی ایک دیوتا (ر-ح-م) کے لئے آیا ہے''[5]

''کفر و شرک'' کی حقیقت کیا ہے ؟ لکھتے ہیں :-

''جنوبی عرب کا ایک اور کتبہ بت پرستی کے متعلق لفظ ''شرک'' استعمال کرتا ہے - الٰہ ایک بڑے خدا کے ساتھ دوسرے دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی تھی اور اسی شرک کے خلاف پیغمبر (عرب) نے بڑی شدت و جوش سے تعلیم و تلقین فرمائی ہے - کتبے میں عدم اطمینان کے واسطے اصطلاحی لفظ ''ک - ف - ر'' بولا گیا ہے - جیسا کہ شمالی عرب میں آتا ہے''[1]

آپ نے محسوس کیا ہوگا، پروفیسر حتی خدا کھل کر بات نہیں کرنا چاہتے۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کفر و شرک صرف یہ ہے کہ قریشی دیوتا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے دیوتا کو عبادت میں شریک کیا جائے - ورنہ ''حقیقی خدا'' کا تصور اسلام میں کہاں ؟

پروفیسر حتی کی مجبوریاں بھی آپ کے سامنے ہیں - انہوں نے اپنی عینک میں یہودیت اور عیسائیت کے دو شیشے لگا کر دیکھا تو نظریہ آیا کہ :-

''اسلام کا یہودیت اور عیسائیت سے گہرا تعلق ہے - تاریخی اعتبار سے اسلام اِن دو مذہبوں کی ایک شاخ ہے - قرآن کا مذہب عہد نامہ جدید کے عیسائی مذہب کے مقابلہ پر عہد نامہ عتیق کے یہودی مذہب سے زیادہ قریب ہے''

عہد نامہ عتیق کے یہودی مذہب میں خدا کا تصور کیا تھا، لکھتے ہیں :-

''حضرت موسیٰ نے ایک مدین کے پیشوا کی لڑکی سے شادی کی جو عرب تھی - یہ مذہبی پیشوا یہوہ کی عبادت کرتا تھا اور اس نے موسیٰ کو نئے دین کی تلقین کی - یہوہ غالباً مدین یا شمالی عرب کے قبائل کا معبود تھا - وہ ایک سیدھا سادہ خشک مزاج صحرائی دیوتا تھا کہ خیمے میں رہتا تھا اور اس کی پرستش میں کوئی پیچیدہ رسوم نہ تھیں'' (ہسٹری آف دی عربز صفحہ ۳۰)

یہ درست ہے کہ موجودہ تورات نے اسرائیلی خدا ''یہواہ''

---

[1] لے تسلٹ ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر حتی
[2] ہسٹری آف دی عربز از حتی صفحہ ۱۰۱
[3] ایضاً صفحہ ۱۰۵
[4] ایضاً صفحہ ۱۰۵

[1] ہسٹری آف دی عربز از حتی صفحہ ۱۰۵

کا تصور بڑا تنگ دلانہ پیش کیا ہے۔ وہ نسل، قوم اور زبان کے بندھن میں مقید صرف بنی اسرائیل کا معبود نظر آتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ عیسائیت میں باپ بیٹا اور روح القدس کی پوجا ہوتی ہے اور عیسائیت میں کفر و شرک کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اِن تین خداؤں کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔ بیٹے کی پوجا شرک نہیں، روح القدس کی عبادت شرک نہیں۔ کیتھولک کے نزدیک حضرت مریم کی پرستش اور بزرگان کے بت بنا کر ان کی تعظیم اور ان سے دعائیں مانگنا نہ کفر ہے نہ شرک، اس حد سے آگے بڑھے تو شرک لازم آتا ہے۔

یہ وہ آبائی مذہب ہے جس میں پروفیسر ہتی کے دماغ نے نشو و نما پایا۔ وہ بگڑی ہوئی یہودیت اور مسخ شدہ عیسائیت کا انتقام اسلام جیسے زندہ مذہب سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ جس نقطۂ نظر سے یہودیت کو دیکھتے ہیں، عیسائیت کو پرکھتے ہیں، ان کی الٰہیات کا تاریخی تجزیہ کرتے ہیں اسی زاویۂ نگاہ سے اسلام کے پیش کردہ تصورِ الٰہی اور اسماء الحسنیٰ کو دیکھتے ہیں۔ ان کے ذہن اور سوچ و بچار سے یہ بات کوسوں دور ہے کہ اسلام یہودیت اور عیسائیت کی موجودہ شکل سے مختلف ہو سکتا ہے۔ وہ اتنا انصاف کرنے کے لئے تیار نہیں کہ حق و حقیقت پر مبنی یہ فیصلہ دے سکیں کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے معبودِ حقیقی کا عالمگیر تصور پیش کیا۔ قرآن مجید کا پہلا ورق ہی پروفیسر موصوف کے نظریّہ کی تردید کے لئے کافی ہے۔ سورۂ فاتحہ کی پہلی چار آیات کا مضمون ملاحظہ ہو۔

"اللہ کے نام سے، رحمٰن کے نام سے، رحیم کے نام سے یہ کلام شروع ہوتا ہے۔ ہر قسم کی حمد و ثناء اللہ تبارک و تعالیٰ کو سزاوار ہے جو ربّ العالمین ہے (وہ کسی ایک قوم کا خدا نہیں، کسی ایک قبیلہ کا معبود نہیں بلکہ کُل قوموں اور انواع مخلوقات کا ایک ہی رب ہے۔) رحمٰن کی ذات ہی حمد و ثناء کی حق دار ہے۔
رحیم کی ذات ہی ہر حُسن و کمال کا سرچشمہ ہے۔
مالک یوم الدین کی ذات ہی سب محاسن کا منبع ہے"

فرمائیے! اس وضاحت کے بعد پروفیسر موصوف کے اس نظریّہ کے لئے کہ اللہ قریش کا قبائلی معبود ہے اور الرحمٰن اور الرحیم بھی عرب کے قدیم دیوتا تھے کونسی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

پروفیسر موصوف نے قرآن مجید کی جن آیات سے استدلال کیا ہے کہ اللہ قریش کا قبائلی معبود تھا ان میں صرف یہ لکھا ہے کہ کفارِ عرب بھی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبودِ حقیقی سمجھتے ہیں۔ وہ بڑے زور سے قسموں کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں (انعام: ۱۱۰)

وہ اللہ کے لئے جو کچھ اس نے کھیتی اور چارپایوں سے پیدا کیا ہے حصہ ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے۔ (انعام: ۱۳۷)

وہ مصیبت میں اللہ کو اسی کے لئے فرمانبرداری خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔ (یونس: ۲۲)

ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ اللہ نے۔ (لقمٰن: ۳۲)

انصاف شرط ہے، فرمائیے اِن آیات میں کہاں لکھا ہے کہ اللہ قریش کا قبائلی معبود ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ مشرکین عرب گو ہر قسم کے دیوتاؤں اور دیویوں کے قائل تھے، بتوں کو سجدہ کرتے تھے، جنات اور فرشتوں کو نذر چڑھاتے تھے لیکن کیوں؟ محض اللہ معبودِ حقیقی کی خوشنودی کے لئے، اس کی رضا حاصل کرنے اور اس کے قرب کی تمنا کے لئے۔ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (یونس) الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً (احقاف) مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ان لوگوں نے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے سوا اپنا اِلٰہ بنایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اسلئے

کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اللہ سے قریب کر دیں۔

یہی مضمون زیر نظر آیات میں بیان ہوا ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کو معبود حقیقی تسلیم کرنے کے ان لوگوں نے اس کے ساتھ معبودان باطلہ کو شریک کر رکھا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پیدا کرنے والا اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف میں ہے۔ سات آسمانوں اور عظیم الشان عرش کا مالک ہے تو ان باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے اور دوں کو کیوں پوجتے ہو؟ کیا خدائے حقیقی تمہارے لیے کافی نہیں؟ ان میں کونسی کمی ہے جو یہ معبودانِ باطلہ پوری کر رہے ہیں؟ جب تنہا بتوں کے ذکر کے بغیر اللہ کو پیش کیا جائے تو کیوں منہ بسورتے ہو اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہو۔

ان آیات سے جہاں یہ ثابت ہے کہ کفارِ عرب شروع دن سے خدائے برحق اللہ تعالیٰ کے قائل تھے؟ وہاں انکے سیاق و سباق سے یہ بھی ثابت ہے کہ پروفیسر حتی کا استدلال کہ اللہ ایک قبائلی دیوتا تھا جس کو کفارِ عرب پوجتے تھے سراسر باطل ہے۔ چنانچہ سورہ انعام کی محولہ آیات سے پہلے وارد ہوا۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۔ (انعام: ۱۰۴)

"یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ سوا اس کے کوئی اور معبود نہیں۔ ہر چیز کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ ہر شے کا کارساز ہے۔ نگاہیں اس کا احاطہ کرنے سے عاجز۔ لیکن وہ تمام نگاہوں پر محیط ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔"

کیا یہ بیان کسی دیوتا پر صادق آ سکتا ہے؟ کیا اس سے زیادہ صاف اور واضح رنگ میں معبودِ حقیقی کی شان بیان ہو سکتی ہے؟ فتدبر!

پروفیسر حتی کی مندرجہ بالا تحریرات سے شاید کسی کو شبہ ہو کہ سرزمین عرب میں جہاں اور بت پوجتے تھے اور ان کے آثار نکل رہے ہیں، شاید اللہ نام کا بھی کوئی بت آثار قدیمہ سے نکلا ہے۔ نہیں، یہ بات ہرگز ثابت نہیں۔ مقام غور ہے کہ جب قریش اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر پوجا کرتے تھے (کعبہ میں رکھے ہوئے ۳۶۰ بت اس پر گواہ ہیں) کیا سب سے بڑے قریشی "دیوتا" اللہ کا بھی کہیں کوئی مجسمہ تھا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ عرب میں چھوٹے موٹے دوسرے دیوتاؤں کے آثار اور مجسمے مل رہے ہیں لیکن سب سے بڑے دیوتا کا کوئی مجسمہ یا آثار نہیں ملتے۔ اگر آثار ملتے ہیں تو بس اتنے کہ قدیم زمانہ سے جس کی عبدیت کی تعیین ممکن نہیں سرزمین عرب میں اللہ کی پرستش بطور معبود حقیقی کے ہو رہی ہے۔ ان آثار سے یہ استدلال کہ اللہ عرب کا قبائلی دیوتا ہے تحقیق کی تذلیل ہے۔

عرب مختلف مذاہب کا گہوارہ رہا ہے۔ حنیفیت، یہودیت، عیسائیت کے آثار عرب میں ملتے ہیں۔ حنیفی، یہودی اور عیسائی ادبائے عرب کا کلام آج بھی موجود ہے۔ ایک نظر دیکھ لیجیے سب اللہ رب العٰلمین کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ عرب میں زمانہ قدیم سے مسیحی یہودی اور بعض دیگر موحدین قبائل موجود تھے ان کے شعراء کا کلام بھی محفوظ ہے۔ اگر اللہ عرب کا سب سے بڑا دیوتا ہوتا تو ان کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ "خدائے یہوواہ" "خدائے باپ" یا خدائے حقیقی کو چھوڑ کر قریش کے دیوتا اللہ کی شان میں قصیدے کہتے۔

پھر اس امر کا ثبوت بھی مدعی کے ذمہ ہے کہ اللہ تو قریش کا قبائلی دیوتا ہوا "حقیقی خدا" کے لیے قریش نے کیا نام تجویز کر رکھا تھا؟ کیا وہ خدا کو یکسر بھول گئے تھے کہ ان کے عظیم الشان لغت میں ڈھونڈنے سے بھی خدائے حقیقی کے لیے کوئی نام نہیں ملتا۔ بلکہ ان کے آثار میں اس کا تصور تک نہیں پایا جاتا۔ خدائے حقیقی کے نام سے لے کر

اس کی ہر چیز پر عرب کا ایک بڑا دیوتا یوں قابض ہو گیا کہ اصل مقصد ہی اور نقل موجود۔ کیا یہ بات قرینِ قیاس ہو سکتی ہے؟ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

تاریخِ اسلام کا یہ مشہور واقعہ بھی پیشِ نظر رہے کہ نجاشی کے دربار میں مسلم مہاجرین نے جب یہ اعلان کیا:-

"ہم جاہلیت کے لوگ بُت پرست تھے۔ خدا نے ہم میں ہمیں میں سے ایک نبی بھیجا...... اس نے ہم کو اللہ کی عبادت کی دعوت دی کہ اُسے تنہا سمجھ واحد مانیں اور اسی ذات واحد کی پرستش کریں۔ اور پتھروں اور بتوں کو جنہیں ہم اور ہمارے جدا وقتا کی کیا سے پوجتے تھے ترک کریں...... اس نے ہم پر صرف خدائے واحد کی بغیر کسی کو شریک کئے پرستش فرض کی"

تو اس بیان پر نہ نجاشی نے سوال اٹھایا اور نہ نجاشی کے درباری پادریوں نے کہ حقیقتِ توحید معلوم شد سینکڑوں بتوں کو چھوڑ کر ایک بڑے دیوتا کی پوجا بھی تو بجائے خود شرک ہے۔ کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ "اللہ" خدائے حقیقی کا نام نہیں بلکہ عربوں کا بڑا دیوتا ہے۔ شاید جس تاریخی حقیقت کا انکشاف مستشرقین کے دماغ پر ہوا ہے عربوں کے ترددی فرمانروا اور ان کی رعایا اس سے بالکل بے خبر تھے۔

اب ہم پروفیسر حتیؔ کے نظریّہ کے دوسرے حصہ کی طرف آتے ہیں۔ ان کی رائے میں جس طرح ملکِ عرب میں پوجے والے اکثر دیوتا ملکِ شام ہی کے باشندے تھے اسی طرح اللہ دیوتا بھی پہلے پہل ملکِ شام سے شمالی عرب میں لحیان کے علاقہ میں لایا گیا کیونکہ لحیان کے پانچویں صدی قبل مسیح کے کتبوں میں اللہ کا نام " ہ ل ہ " کی صورت میں کثرت سے تحریر ہے۔ یہ کتبے چونکہ اس سلسلہ میں قدیم تر ہیں اس لئے پروفیسر موصوف کا استدلال یہ ہے کہ:-

"لحیان ملکِ عرب میں اللہ کی پرستش کا پہلا مرکز تھا جہاں یہ نام صریحاً شام سے پہنچا تھا"

پروفیسر حتیؔ کا یہ نظریہ بھی محض خیال آفرینی اور قیاس آرائی ہے۔ مشہور مستشرق نابیہ امین فارس کی مرتب کردہ کتاب میں ایک مستشرق کا مضمون شامل ہے جس میں اس نے "اللہ" نام کے متعلق مستشرقین کی وسعتِ علم کو ایک جملہ میں ادا کر دیا۔ لکھتا ہے:-

"عربی اللہ کس قسم کا معبود تھا۔ یہ امر عرب کے قدیم مذہب کے بارہ میں ہمارے علم میں ایک تاریک نکتہ ہے[1]"

پروفیسر حتیؔ یورپین مستشرقین کی پیروی میں گوشۂ علم کے اس تاریک نکتہ پر نگاہیں جمائے بیٹھے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ان کی تحقیق اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے۔ آپ شمالی عرب سے نکلنے والے پانچویں صدی قبل مسیح کے کتبوں میں لفظ اللہ دیکھ کر یہ استدلال کرنے میں کیسے حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ یہ دیوتا بھی شام سے عرب میں آیا۔ کیا محض قیاس سے کوئی بات پایۂ ثبوت پہنچ سکتی ہے اور وہ بھی اپنے تاریک ترین گوشۂ علم کے متعلق۔ فارسٹر نے اپنے جغرافیہ میں جنوبی عرب کا ایک کتبہ درج کیا ہے جو کہ سترہ سو سال قبل مسیح کا ہے۔ اس میں صاف "اللہ" کا نام موجود ہے۔ قدیم باشندگانِ عرب کے اسماء میں لفظ اللہ اس وقت سے بطور ایک جزو شامل ہے کہ ابھی یہودی اثر عرب تک نہ پہنچا تھا۔ "بیت اللہ" کے نام میں لفظ اللہ

[1] گذشتہ حصۂ مضمون میں یہ حوالہ غلطی سے نابیہ امین فارس کی طرف منسوب ہو گیا۔ دراصل یہ ان کی مرتب کردہ کتاب "The Arab Heritage" کے ایک مضمون کا اقتباس ہے۔ اس کتاب میں مشہور مستشرقین کے مضامین شامل ہیں۔ یہ مضمون "Giorgio Levi Della Vida" کا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے: "Pre Islamic Arabia."

نہایت قدیم زمانہ سے شامل ہے۔ ان شہادتوں کی موجودگی میں جن کی تفصیل اس مضمون کے پہلے حصہ میں گذر چکی ہے۔ یہ خیال کہ سارا عرب پہلے بُت پرست تھا، معبودِ حقیقی کے نام تک سے کوئی واقف نہ تھا۔ بعد میں اللہ نام کا ایک دیوتا شام کے علاقہ سے آیا اور عرب میں دیکھتے دیکھتے خدا وند تعالیٰ کی جگہ اس نے حاصل کر لی۔ وہم کی حد تک ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

## الرّحمٰن ـــــ الرّحیم

ربّ العالمین کے اسمِ ذات اللہ کی طرح الرحمٰن اور الرحیم کے الفاظ بھی اسمائے الٰہیہ کے طور پر عرب میں زمانہ قدیم سے مستعمل ہیں۔ الرحمٰن کا لفظ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمارِ حسنٰی میں شامل ہے، جنوبی عرب کے آثارِ قدیمہ میں استعمال ہوا ہے، شمالی عرب میں بعض شعراء کے کلام میں یہ لفظ ملتا ہے۔ عبرانی زبان میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے جو کہ اسکے ابتدائی سرچشمہ عربی کا اثر ہے۔ عرب کے اہل کتاب نے اس لفظ کو اس حد تک اپنایا کہ بعض شمالی عرب کی مشرک جماعتیں (مثلاً قریش) اس نام کو اہل کتاب کے معبود کے لئے خاص سمجھنے لگیں۔ وہ پسند نہ کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کو رحمٰن کے نام سے پکارا جائے۔[۳] یہاں تک کہ قرآن مجید نے یہ بات صاف کر دی کہ اللہ اور رحمٰن ایک ہی ذات کے مختلف نام ہیں۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔۔۔۔ الخ (بنی اسرائیل ۱۱)

لفظ رحمٰن کے متعلق قدیم لٹریچر اور آثارِ قدیمہ کی بعض شہادتیں درج ذیل ہیں:-

۱- حضرت سلیمان علیہ السلام نے (ایک ہزار قبل مسیح) ملکہ سبا کو جو خط لکھا اس کا ذکر طالمود اور قرآن مجید دونوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید نے ایک زائد بات یہ بتائی ہے کہ یہ خط اللہ، الرحمٰن، الرحیم کے نام سے شروع ہوتا ہے۔ مضمون کے پہلے حصہ میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ یہ خط ملکہ سبا کی زبان سبائی عربی میں تحریر کیا گیا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہود میں ابتدائیہ کے طور پر اللہ، الرحمٰن، الرحیم کے الفاظ مستعمل نہیں ہیں لیکن جنوبی عرب کے آثارِ قدیمہ سے ثابت ہے کہ کتبوں کے شروع میں بسم اللہ، "باسمك اللّٰھمّ" یا "بِسْمِ الرحمٰن الرحیم"[۱] کے الفاظ ملتے ہیں۔ اسلئے حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کو خط لکھتے ہوئے خدا تعالیٰ کے ایسے اسماء سے یہ خط شروع کیا جو کہ ملکہ سبا کے لئے مانوس تھے اور عرب قدیم میں ابتدائیہ کے طور پر مستعمل تھے۔

۲- یمن کے آخری کتبات میں خدا تعالیٰ کے لئے رحمٰن کا لفظ پایا جاتا ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ سبا۔ "(Sabaeans)

۳- ابرہہ کے زمانہ (۵۴۳ عیسوی) کا ایک کتبہ[۲] سدِ عرم (یمن) کی بقیہ دیوار پر ملا ہے جو کہ یاں الفاظ شروع ہوتا ہے:-

"رحمٰن الرحیم" اور اس کے مسیح اور روح القدس کی مہربانی سے "

پھر دوسری دفعہ اسی کتبہ کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے رحمٰن کا لفظ آیا ہے:-

"رحمٰن کی عنایت سے بخاشی ۔۔۔ اور دوسرے بادشاہوں کی طرف سے سفیر دوستی اور محبت کا پیغام لے کر ۔۔۔ آئے۔"

۴- پروفیسر حتی نے ابرہہ کا کتبہ درج کرنے کے بعد اقرار کیا ہے

[۱] ایک یمنی کتبہ جو کہ ستر سو قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے "باسمك اللّٰھمّ" سے شروع ہوتا ہے۔ (ابن ہشام) بعض حمیری کتبے "بسم اللہ" سے شروع ہوتے ہیں۔ (معجم البلدان زیر لفظ شبعلین و تاریخ الملوک الارض ص۱۱ کلکتہ) ابرہہ کا کتبہ "الرحمٰن الرحیم" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

[۲] ابرہہ کے کتبہ کے لئے ملاحظہ ہو گلازر کی جرمن کتاب سامی کتبات پر۔ بحوالہ تاریخ عرب از حتی ص۱۱ ‌+

[۳] قرآن مجید کی بعض آیتوں (قُلِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔۔۔۔ الخ) اور احادیث میں واقعہ تحریر صلح حدیبیہ سے یہ ثابت ہے کہ شمالی عرب میں عام لوگ خدا کے لئے رحمٰن کے لفظ کا استعمال پسند نہیں کرتے تھے۔ جنوبی عرب میں یہ نام زیادہ مستعمل تھا +

کہ لفظ رحمٰن قدیم تر عرب میں مستعمل تھا۔ گو ان کا یہ خیال ہے کہ پہلے یہ کسی دیوتا کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ (تاریخ عرب ص۱۰۱)

۵۔ شمالی عرب کے ادبائے قدیم نے اپنے اشعار میں اللہ تعالیٰ کے لئے "رحمٰن" کا لفظ استعمال کیا ہے خصوصاً اہل کتاب شعراء کے کلام میں یہ لفظ ملتا ہے مثقب العبدی۔ سلامہ بن جندل۔ زید بن عمرو کا کلام بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے۔

لفظ رحمٰن کی اصلیت کے متعلق مستشرقین نے دو نظریے پیش کئے ہیں۔ جو محققین اور یہ ان کا خیال ہے کہ یہودیوں اور مسیحیوں سے لفظ رحمٰن لیا گیا ہے۔ یہودی لٹریچر میں خدا تعالیٰ کے لئے "ھا رحمٰن" بڑی کثرت سے آیا ہے۔
(The Arab Heritage Edited by Nabih Amin Faris P-100)

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں "سبا" (Sabeans) پر جو مقالہ دیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ جنوبی عرب میں چونکہ قوم حمیر نے اپنے آخری دور میں یہودی دین قبول کر لیا تھا اور ایک یہودی حکومت قائم کر دی تھی اس لئے رحمٰن کا لفظ خدا تعالیٰ کے لئے استعمال ہونے لگا۔

حیرت ہے کہ مسلمان محققین میں سے سید سلیمان ندوی بھی یہی کہتے ہیں کہ رحمٰن عبرانی لفظ ہے اور صرف یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب اس کو بولتے ہیں۔ عام طور سے عربوں میں مستعمل نہ تھا۔ جنوبی عرب کے آثار سے خدا تعالیٰ کے لئے رحمٰن کے لفظ کا جو استعمال ملتا ہے وہ یہود و نصاریٰ کے اثر کا نتیجہ ہے۔ (ارض القرآن حصہ اول ص۳ و حصہ دوم ص۱۴۲ و ص۲۳۹)

پروفیسر حتی نے اپنی کتاب "ہسٹری آف دی عربز" میں یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ قدیم تر عرب میں رحمٰن کا لفظ مستعمل ہے۔ لیکن وہ قیاس کرتے ہیں کہ ابتداءً یہ نام جنوبی عرب کے کسی دیوتا کا تھا۔ بعد میں معبودِ حقیقی کے لئے مخصوص ہو گیا۔

محققین کا پہلا نظریہ کہ رحمٰن کا لفظ یہود و نصاریٰ سے خاص ہے اس لحاظ سے بالکل غلط ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان میں مع اپنی وجہ تسمیہ کے موجود ہے[1]۔ اور یہ مسلّمہ ہے کہ عربی زبان سامی زبانوں میں قدیم تر ہے۔ عبرانی زبان محققین السنہ کے نزدیک عربی زبان یا عربی زبان سے مشابہ قدیم تر سامی زبان کی ایک شاخ ہے۔ بایں صورت یقینی بات یہی ہے کہ رحمٰن کا لفظ عربی سے عبرانی میں گیا نہ کہ عبرانی سے عربی میں آیا۔ چونکہ عرب کے اہل کتاب نے یہ لفظ خدائے حقیقی کے لئے بڑی کثرت سے استعمال کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لفظ یہود و نصاریٰ سے ایک حد تک خاص ہو گیا اور خصوصاً شمالی عرب کے عوام اس لفظ کو اہل کتاب کے معبود کے لئے مخصوص سمجھتے ہوئے عام طور پر استعمال نہیں کرتے تھے۔ لیکن جنوبی عرب کے آثار میں کثرت سے لفظ رحمٰن کا استعمال ملتا ہے۔

پروفیسر حتی کا نظریہ اس حد تک تو بالکل درست ہے کہ یہ لفظ نہایت قدیم زمانہ سے عرب میں مستعمل ہے۔ لیکن ان کے نظریہ کا یہ حصہ کہ ابتداءً یہ لفظ کسی دیوتا کے لئے مخصوص تھا محض ظنِ فاسد ہے۔ انہوں نے آثارِ قدیمہ کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ نہ عرب کے قدیم لٹریچر سے کوئی سند لائے ہیں کہ یہ لفظ کسی دیوتا کے لئے استعمال ہوا ہو محض قیاس اور ظن پر کسی نظریہ کی بنیاد ایک محقق کی شان سے بعید ہے۔ جب ان کو یقینی طور پر یہ نظر آتا ہے کہ رحمٰن کا لفظ جنوبی عرب کے "قدیم تر" دور سے تعلق رکھتا ہے تو یہ قدامت کسی صورت میں یہ ظاہر نہیں کر سکتی کہ رحمٰن کا لفظ ابتداءً کسی دیوتا کے لئے مخصوص تھا۔

یہی غلطی الرحیم کے لفظ کے متعلق پروفیسر موصوف سے

[1] الرحمٰن کا مادہ رحم ہے اور فعلان کے وزن پر ہے اس وزن کے الفاظ امتلاء اور غلبہ پر دلالت کرتے ہیں پس رحمٰن کے معنی یہ ہوتے کہ وسیع رحم کا مالک جو ہر ایک پر حاوی ہے۔ (مجمع ص۱۲)

ہوتی ہے۔ سبائی کتبات میں ایک دیوتا کا نام "ر۔ح۔م" کی صورت میں آیا ہے۔ انہوں نے اسے الرحیم قرار دے کر یہ نظریہ پیش کر دیا کہ الرحمٰن کی طرح الرحیم بھی کسی دیوتا کا نام تھا۔ حالانکہ عربی زبان میں "ر۔ح۔م" کے مادہ کے بیسیوں اشتقاق ہیں، اس کو "الرحیم" کے مترادف سمجھنا بنیادی غلطی ہے جو کہ پروفیسر موصوف نے کی۔

رحمٰن کا روٹ بھی یہی "ر۔ح۔م" ہے۔ یہ لفظ فعلان کے وزن پر ہے۔ الرحیم بھی "ر۔ح۔م" کے سہ حرفی مادہ سے نکلا ہے اور فعیل کے وزن پر ہے۔ اس مادہ کا استعمال کسی دیوتا کے لئے ہوتا ہے تو ہوا کرے، سوال یہ ہے کہ عرب قدیم میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی دیوتا کو "الرحمٰن" یا "الرحیم" کے نام سے پکارا گیا۔ اگر جواب نفی میں ہے تو محض "ر۔ح۔م" کے استعمال سے پروفیسر حتی کا مذکورہ قیاس ایک بے حقیقت اور بودی بات ہے جو کہ ان کو زیب نہیں دیتی۔ افسوس کہ جس مذہب نے یہ اعلان کیا هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (۵۹:۲۲) وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ (البقرہ: ۱۶۳) اور جس نے چیلنج کیا۔ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۔ (زخرف: ۴۵) اس کی بنیادی اقدار کو یوں مسخ کر کے پیش کرنا سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔

# عظمتِ قرآن

از کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

شکرِ خدائے رحماں جس نے دیا ہے قرآں
غنچے تھے سارے پہلے اب گل کھلا یہی ہے

کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اس کا گہنا
دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے

دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں
خالی ہیں ان کی قابیں خوانِ ہدیٰ یہی ہے

اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا
راتیں تھیں جتنی گذریں اب دن چڑھا یہی ہے

پہلے صحیفے سارے لوگوں نے جب بگاڑے
دنیا سے وہ سدھارے نوشتہ نیا یہی ہے

**دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں**
**قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے**

## ضروری تصحیح

ماہ ستمبر کے الفرقان میں "ہندوستان میں مذہبی آزادی" کے زیرِ عنوان مکرم جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی کا مضمون شائع ہوا ہے، وہ دراصل انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو مکرم جناب عبدالرحمٰن صاحب شاکر نے فرمایا ہے۔ اصل مضمون ریویو آف ریلیجنز انگریزی ماہ ستمبر میں بطور اداریہ شائع ہوا ہے۔ احباب مندرجہ ذیل فروگذاشتوں کی تصحیح فرمالیں:

(۱) ص۱۱ پر ۳ کے تحت فقرہ "اسی عقیدہ کی علمبرداری کرتے ہوئے ایک دفعہ انہوں نے کہا تھا" میں "انہوں نے کہا تھا کی بجائے" مہاتما گاندھی نے کہا تھا "پڑھا جائے۔

(۲) ص۱۲ پر "بہا دہندو مہا سبھا" کی بجائے "مذہبی دیوانگی کے باعث ہندو مہا سبھا" پڑھا جائے۔ (ادارہ)

اسلامی آئین و نظام کا ایک پہلو!

# قیامِ امن اور استحکامِ سلطنت کے لئے تخریبی عناصر کو قانونِ قدرت کے مطابق عبرتناک سزا ملنی ضروری ہے

(از جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات)

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی۔ انفرادی زندگی کے متعلق اس کے کچھ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں اور اجتماعی زندگی کے متعلق بھی اس کے کچھ حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے حقوق اور ذمہ داریاں تین طاقتوں سے پیدا ہوتی ہیں جو قادرِ ازل نے اس کے اندر رکھی ہیں۔ ان میں کو ایک منافع اور فوائد حاصل کرنے کی قوت ہے جس کو فلسفۂ اخلاق میں قوتِ شہویہ کہتے ہیں۔ جس کے ذریعہ سے یہ اپنی زندگی کی ضروریات مہیا کرتا ہے۔ دوسری قوت مضار کے دفع کرنے کے لئے اس کو دی گئی ہے جس کو فلسفۂ اخلاق میں قوتِ غضبیہ کہا گیا ہے جس کے ذریعہ سے یہ ان تمام حملوں کو روکتا ہے جو اس کو مشکلات اور ہلاکت میں ڈالنے والے ہوتے ہیں۔ تیسری قوتِ عقلی ہے جس کو فلسفۂ اخلاق میں قوتِ ممیزہ کہتے ہیں۔

اگر انسان جلبِ منافع اور دفعِ مضار کی طاقتوں کو عقل کی راہنمائی سے مناسب موقع اور محل پر استعمال کرے اور افراط و تفریط سے محترز رہے تو تکالیف اور مصائب سے بچا رہتا ہے اور زندگی کا اصل مقصد جس کیلئے یہ پیدا کیا گیا ہے اس کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کو حق حاصل ہے کہ اپنی حیاتِ مستعار کو قائم رکھنے کے لئے کھانے پینے پہننے، رہنے سہنے اور سلسلۂ توالد و تناسل کو برقرار رکھنے کے لئے ازدواج کے سامانوں کو مہیا کرے۔ اس کو حق حاصل ہے کہ دفعِ مضار کے لئے اپنی قوتِ غضبی کو کام میں لاوے اور اندرونی حملہ آوروں یعنی امراض و اسقام کو دفع کرے اور بیرونی حملہ آوروں یعنی اعداء کا مقابلہ کرے۔ اگر یہ اندرونی اور بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ باوجود استطاعت کے نہ کرے تو قدرت کے سامنے ذمہ دار ہوتا اور قدرتی سزا پاتا ہے۔ اگر اپنے حقِ جلبِ منافع اور دفعِ مضار کے استعمال میں عقل کی راہنمائی سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور حد سے گزر جاتا ہے جس سے اجتماعی زندگی کے لحاظ سے دیگر اشخاص کے حقوق میں دست اندازی ہوتی ہے تو یہ موجود الوقت حکومت کے سامنے ذمہ دار ہو کر سزا کا مستوجب ہو جاتا ہے۔

اگر اس کو قدرت اور حکومت کی طرف سے کوئی سزا نہ ملے تو دوسروں کو عبرت حاصل نہیں ہوتی اور بطور نتیجے کے فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلئے سزا کا ملنا ضروری ہے۔

انسان کے حقوق اور ذمہ داریوں کے متعلق قوانینِ الٰہی ہیں جو تمام آسمانی یعنی الہامی نوشتوں میں جو اقوامِ عالم نے اپنائے ہوئے ہیں منفرداً پائے جاتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جس کا دعویٰ ہے کہ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (ﷺ) (اس میں تمام پائیدار اور استوار کتابیں موجود ہیں) مجتمعاً پائے جاتے ہیں۔ چونکہ الٰہی قانون اٹل اور نا مٹ ہوتے ہیں اسلئے اُن کی

خلاف ورزی موجبِ خسران و حرمان و نقصان ہوتی ہے اور ان کی پابندی باعثِ اطمینان و ایقان۔

الہٰی نوشتوں کے قوانین اصولی ہیں نہ فروعی۔ اقوامِ عالم نے اپنی ملکی ضروریات کے تقاضوں کے مطابق مفصل قوانین دیوانی و فوجداری بنائے ہوئے ہیں جو قریباً الہٰی قوانین کے اصولوں پر مبنی ہیں۔ ان میں اور الہٰی قوانین میں اگر فرق ہے تو وہ بہت تھوڑا ہے۔ مثلاً مجرموں کی سزا میں کمی بیشی یا سختی نرمی یا حسبِ ضرورت کو وقتی ضروریات کے لحاظ سے بعض جرموں کی سزا نہ دینا۔

تمام الہٰی نوشتوں میں زنا۔ قتل۔ چوری۔ راہزنی۔ جھوٹ۔ فریب۔ رشوت ستانی۔ ضرر رسانی۔ بدگوئی۔ نقصان رسانی۔ تصرفِ مجرمانہ۔ مداخلت بے جا۔ ازالۂ حیثیت عرفی۔ اغوا۔ بردہ فروشی۔ بغاوت کو مجملاً یا مفصلاً جرم قرار دیا گیا ہے اور قوانینِ اقوامِ عالم میں بھی یہ جرم ہی ہیں۔ اگر ان جرموں کی سزا قرار واقعی طور پر نہ دی جائے تو پبلک میں بددلی اور بے اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے اور فتنہ و فساد کا دروازہ کھل جاتا ہے اور معاشرہ میں بدامنی پھیل جاتی ہے۔ قرار واقعی سزا کیوں نہیں دی جاتی اس کی وجوہات حسبِ ذیل ہیں:-

(۱) چونکہ ججوں اور مجسٹریٹوں کی تعیناتی اور تقرر کے وقت احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور نالائق اشخاص سفارشوں اور ناجائز وسائل سے مقرر ہو جاتے ہیں۔ اور لائق اور مستحق افراد بے وسیلہ ہونے کی وجہ سے نظرانداز کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) ججوں اور مجسٹریٹوں پر کڑی نگرانی نہیں رکھی جاتی اور ان کے کاموں کی پڑتال دقتِ نظر سے نہیں کی جاتی۔

(۳) ججوں اور مجسٹریٹوں کے گنہگار اور بدکردار ثابت ہونے پر ایسی پوری سزا نہیں دی جاتی کہ ان کے جانشینوں اور ہم رتبہ افسروں کے لئے موجبِ عبرت ہو۔ جج اور مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسا مدلل اور منصفانہ ہونا چاہیئے کہ وہ فریق بھی جس کے خلاف وہ فیصلہ ہو دل میں اس کو صحیح سمجھے۔

صحیح فیصلہ جات پبلک کے لئے موجبِ اطمینان اور مظلوم فریق کے لئے باعثِ تسلی و امتنان ہوتے ہیں۔ اور درحقیقت یہی ایک ذریعہ رعایا میں امن و امان اور حکومت پر اطمینان و اعتماد کا ہوتا ہے۔ رعایا کا اطمینان ہی حکومت کو مستحکم اور دیرپا رکھتا ہے۔ پس جو حکومت چاہتی ہے کہ وہ تادیر استوار اور پائدار رہے اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنے انصاف کا سکہ رعایا کے دلوں پر بٹھا دے یا بالفاظ دیگر دلوں پر حکومت کرے نہ کہ جسموں پر۔

رحم اور انصاف کا باہم مقابلہ ہے۔ جہاں انصاف ہو وہاں رحم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ بجائے انصاف کے رحم کو کام میں لانا ظلم ہے جس کو احکم الحاکمین پسند نہیں کرتا۔

(۱) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۳/۵) — (۱) خدا ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وہ تو کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۳/۱۸) — (۱) خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

سزا دیتے وقت مجرم پر مہربانی اور رحم کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

(۱) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۲۴/۲) — (۱) زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کو سو تازیانوں کی سزا دو۔ اور اگر تم خدا اور روزِ آخرت کو مانتے ہو تو تم کو چاہیئے کہ ان دونوں پر خدا کی مقرر کردہ سزا میں رحم اور مہربانی نہ کرو۔

(۲) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ — (۲) چور خواہ مرد ہو یا عورت

فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا　　دونوں کے ہاتھ کاٹ دو،
جَزَآءً بِمَا كَسَبَا　　یہ ان کے کئے کی سزا اور
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (۶/۳۲)　　خدا کی طرف سے عبرت ہے۔

حکومتِ وقت کے خلاف لڑائی، بغاوت اور فساد سے منع کیا گیا ہے:-

(۱) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ　　(۱) خدا اور رسول اور جو
اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ　　تم میں سے حاکم ہوں اُن
اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۵/۹)　　کی اطاعت کرو۔

(۲) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ　　(۲) خدا انصاف اور احسان
بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ　　اور اقرباء کو عطیہ سے
وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى　　بہرہ ور کرنے کا حکم دیتا
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ　　ہے اور بے حیائی اور
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ　　بُرے کاموں اور بغاوت
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ　　سے منع کرتا ہے تاکہ تم یاد
تَذَكَّرُوْنَ ○ (۱۴/۹۰)　　رکھو اور نصیحت قبول کرو۔

جن جرائم کا ارتکاب افرادِ رعایا دیگر افرادِ رعایا کے خلاف کرتے ہیں ان کی سزا اور حکومت کے خلاف لڑائی بغاوت اور فساد کی سزا میں فرق ہے۔ حکومت کے خلاف جرائم کی سزا بہت سخت مقرر کی گئی ہے کیونکہ حکومت کی بربادی اور بیخ کنی تمام افرادِ رعایا کو مصائب و آلام میں مبتلا کر دیتی ہے اور معاشرہ میں خللِ عظیم واقع ہو جاتا ہے۔ اور مختلف طبقاتِ رعایا کی عبادت گاہیں ویران ہو جاتی ہیں اور بدامنی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

(۱) لَا تُفْسِدُوْا فِي　　(۱) زمین میں امن و امان
الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا　　ہو جانے کے بعد فساد
(۸/۵۶)　　مت کرو۔

(۲) اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ　　(۲) جو لوگ خدا اور اس کے
يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ　　رسول سے لڑائی کرتے
رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ　　اور زمین میں فساد کرتے
فِي الْاَرْضِ فَسَادًا　　پھرتے ہیں ان کی یہی سزا
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا　　ہے کہ وہ قتل کئے جائیں
اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ　　یا ان کو صلیب پر چڑھا کر
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ　　مارا جائے یا ان کے ہاتھ
خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا　　اور پاؤں (دایاں ہاتھ
مِنَ الْاَرْضِ ○　　اور بایاں پاؤں یا بایاں
(۵/۳۴)　　ہاتھ اور دایاں پاؤں) علاحدہ
قطع کئے جائیں۔ یا ان کو
جلا وطن کیا جائے۔

(۳) وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ　　(۳) اگر بعض آدمیوں کی
النَّاسَ بَعْضَهُمْ　　شرارت انگیزیوں، فتنہ پردازیوں
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ　　اور فساد کو بعض دوسرے
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ　　افرادِ انسانی کے ذریعہ
وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ　　خدا دفع نہ کرے تو
يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ　　عیسائیوں کی عبادتگاہیں،
اللّٰهِ كَثِيْرًا ○　　اور گرجے اور یہودیوں
(۱۷/۴۱)　　کے عبادت خانے اور
مسجدیں ویران کر دی
جائیں جن میں خدا کا ذکر کثیر
ہوتا ہے۔

جتنا بڑا کوئی بادشاہ اور حکومت ہو اتنے ہی طاقتور اور سرکش باغی اندرونِ ملک میں اس کے مقابلہ پر اس کی سلطنت کو تباہ کرنے، اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور اپنی اغراضِ نفسانی کو پورا کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ملک کے شریر، بیکار اور بدکردار عناصر ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے عالم، دانا اور عادل بادشاہوں کو بھی باغی مفسدوں سے نپٹنا پڑا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام خدا کے نبی اور خلیفۃ اللہ فی الارض تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو لوہے کے پگھلانے کی حکمت عطا کی تھی۔

اور الٰہی الہام کے مطابق لوہے کے ساز و سامان اور اوزار حرب انہوں نے تیار کئے تھے۔ وہ عدل گستری اور انصاف سے فیصلہ کرنے میں مشہور تھے۔ مگر باوجود اس کے انکی سلطنت میں ایک ایسا زبردست سرکش اور جری و گستاخ گروہ انکے خلاف موجود تھا۔ کہ قلعہ شاہی کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوکر ان کے ہلاک کرنے میں دریغ نہیں کرتا تھا۔ مگر چونکہ بڑے بڑے بارسوخ امراء جو پہاڑوں کی طرح مستحکم اور پایدار تھے۔ اور ہوائی طاقت کے علمبردار ان کے تابع فرمان ہوگئے تھے اسلئے شریر لوگ ان کے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے اور ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے۔

(۱) وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ (۳۴)

(۱) ہم نے داؤد کو وافر سامان قوت و طاقت دیئے تھے۔ پہاڑوں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ ہوکر خدا کی طرف رجوع کرو۔ اور پرندوں کو بھی اسکے تابع فرمان کردیا تھا اور لوہے کو اس کے لئے نرم کردیا تھا اور (الہاماً) بتایا تھا کہ سابغات (کافی و وافی سامان دفاع از قسم زرہ وغیرہ) بنا۔ لوہے کے گول چھلے اور سوراخوں میں اندازہ کے مطابق پیچ اور کیل لگا اور ایسے کام کرو جس سے دنیا کی اصلاح ہوتی ہو۔ میں تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہوں۔

تشریح:-

ا- قیل فلان جبل (ا) کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص پہاڑ ہے جو متزلزل نہیں ہوتا اس سے مراد اس کی ثابت قدمی ہوتی ہے۔ اور ایک بڑی جماعت کو بھی پہاڑ کہتے ہیں۔

لا یتزحزح تصوراً لمعنی الثبات نقیل للجماعۃ الکثیرۃ جبل (مفردات راغب)

ب- الطائر کل ذی جناح یسبح فی الهوا۔ وجمع الطائر طیر۔ (مفردات راغب)

(ب) طائر ہر پر دار وجود کو کہتے ہیں جو ہوا میں تیرے۔ اور اسکی جمع طیر ہے۔

ج- سابغ دراز و تمام از ہر چیز سبغۃ بالفتح فراخی و رفاہیت و تن آسانی۔ سبغت النعمۃ۔ تمام فراخ شد نعمت (منتہی الارب)

(ج) جو چیز کامل اور لمبی ہو اس کو سابغ کہتے ہیں۔ سبغۃ اگر زبر کے ساتھ ہو تو اس کے معنے فراخی اور خوشحالی اور آسودگی کے ہوتے ہیں جب سبغت النعمۃ کہا جائے تو اسکے معنے ہوتے ہیں نعمت وافر اور پوری ہوئی۔

د- سرد دوز مشک و ادیم دوختن و زرہ بافتن و سوراخ کردن۔ (منتخب اللغات)

(د) سرد مشک اور ادیم (دھونکنی) کے سوراخ سینے اور زرہ بننے کو کہتے ہیں۔

ہ- سرد خرز ما یخشن و یغلظ کنسج الدرع وخرز الجلد و استعیر لنظم الحدید قال وقدر فی السرد۔ (مفردات راغب)

(ہ) سرد کسی سخت اور موٹی چیز کے سوراخ سینے کو کہتے ہیں جیسے زرہ کا بُننا اور چمڑے کا سینا۔ اور استعارہ کے طور پر لوہے کی تنظیم کو کہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے۔ وقدر فی السرد۔

وَ- السرد- الثقب (وَ) سرد کے معنے سوراخ

تقول سرد الشئ اذا ثقبه والسرد نسج الدرع وهو تداخل الحلق بعضها فی بعض والسرد اسم جامع للدرع وسائر الحلق وما اشبهها من عمل الحلق وسمی سرداً لانه یسرد فیثقب طرفا کل حلقة بالمسمار فذلك الحلق السرد والسرد هو المثقب .... وقوله عز وجل وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ قیل هٰان لا یجعل المسمار غلیظاً والثقب دقیقاً فیفصم الحلق ولا یجعل المسمار دقیقاً والثقب واسعاً فیتقلقل او ینخلع او یتقصف اجعله علی القدر وقدر الحاجة - (تاج العروس) .

ہیں "سرد الشئ" کے معنے ہیں اس نے اس چیز میں سوراخ کر دیا - اور سرد کے معنے زرہ بُننے کے بھی ہیں اور وہ اس طرح کہ حلقے ایک دوسرے میں داخل کئے جاتے ہیں اور سرد زرہ اور باقی تمام حلقوں اور ان کے مشابہ اشیاء کے لئے بلحاظ حلقوں کے عمل کے اسم جامع ہے - اور زرہ کو سرد اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں سوراخ کیا جاتا ہے - پھر ہر ایک حلقہ کے ایک طرف کیل سے سوراخ کر دیا جاتا ہے اور ان حلقوں کو سرد یعنی سوراخ کردہ شدہ کہتے ہیں - اور خدا کے اس قول کی کہ "وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ" یہ تفسیر ہے کہ کیل موٹا اور سوراخ باریک نہ بنایا جائے تاکہ حلقہ جات ٹوٹ نہ جائیں اور نہ کیل پتلا اور سوراخ وسیع بنایا جائے ورنہ ڈھیلا ہو جائیگا یا نکل جائے گا یا ٹوٹ جائے گا - اسلئے خدا نے فرمایا کہ اندازہ کو نگاہ رکھو اور بقدر حاجت بناؤ -

آیۂ کریمہ مندرجہ بالا میں "يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ" معطوف اور معطوف علیہ ہیں - جبال اور طیر میں جنسیت ضروری ہے - جیسا کہ اوپر حوالہ لغت سے ظاہر ہوا - ایک عظیم جمعیت کو بھی پہاڑ کہا گیا ہے - خدا فرماتا ہے - اے جبال داؤد کے ساتھ مل کر خدا کی طرف رجوع کرو - ظاہری پہاڑوں کا رجوع بحق ہونا اور پھر حضرت داؤدؑ کے ساتھ مل کر ان کا خدا کی طرف رجوع کرنا بے معنی اور خلاف قیاس ہے - انبیاء کے ساتھ مل کر انسان ہی خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں نہ کہ پہاڑوں جیسے صامت اور ٹھوس وجود - اگر پہاڑوں سے بڑے بڑے آدمی مراد لئے جائیں جیسا کہ اہل لغت نے لکھا ہے تو پھر طیر کو بھی انسان ہی ماننا پڑیگا - کیونکہ پرندے بھی بظاہر انسانوں کے ساتھ مل کر خدا کی طرف رجوع نہیں کرتے - طیر کا کسی انسان کے ساتھ مل کر رجوع کرنا یہی معنے رکھتا ہے کہ بوجہ ہوا میں اڑنے کے ان کو طیر کہا گیا ہے ورنہ ان کے انسان ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا - کیونکہ طیر ہر اُس وجود کو کہتے ہیں جو دو پروں کے ساتھ ہوا میں اُڑے - یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہاڑ اور پرندے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو بذریعہ تبلیغ عبادت الٰہی کی طرف راغب کیا جاتے ورنہ انبیاء کے فرائض میں سے ہے کہ سوائے انسانوں کے کسی اور وجود کو حق کیطرف دعوت دیں - حضرت داؤدؑ کو دو بڑی طاقتیں دی گئی تھیں - ایک بری طاقت جس میں پہاڑوں جیسے مستقل مزاج اور ثابت قدم آدمی موجود تھے - دوسری ہوائی طاقت جس میں بلند پرواز آدمی سلطنت کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتے

تھے۔ دونوں طاقتوں کو لوہے کی ضرورت تھی اس لئے خدا نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا یعنی اس کے پگھلانے اور اس سے جنگی اور نجی اشیاء کے بنانے کی حکمت سکھائی گئی اور بتایا گیا کہ سابغات یعنی مکمل اور کافی ووافی سامان دفاع از قسم زرہ وغیرہ تیار کرو۔ جیسا کہ بحوالہ لغت اوپر بتایا گیا ہے۔ سَرَد کے معنے سوراخ اور کسی سخت چیز کے سوراخ کو سینے اور زرہ جیسی چیز کو بُننے کے ہیں۔ اور "قَدِّرْ فِي السَّرْدِ" کے لفظی معنے "سوراخ میں اندازہ کو نگاہ رکھ" کے ہیں۔ اور اس سے مراد لوہے کی تنظیم ہے۔ یعنی لوہے سے جو چیز بناؤ اندازہ، تناسب، حساب اور ایک نظام کے ساتھ بناؤ۔ اور جو زرہ بناؤ اسکے حلقوں کے سوراخوں میں اندازہ کے مطابق کیل پیوست کرو۔

| | |
|---|---|
| (۲) وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ..... وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ۔ (۲۱/۸۰) | (۲) اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لئے مسخر کر دیا اور پرندوں کو بھی اسکے زیر فرمان کر دیا جو خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ اور ہم نے اسکو تمہارے لئے زرہ کی صنعت سکھائی تاکہ تم لڑائی میں محفوظ رکھے جاؤ۔ پس کیا تم شکر گذار ہو گے۔ |

## تشریح :-

آیۂ ۱ مندرجہ بالا میں پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد کے ساتھ رجوع بحق ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور تشریح میں ثابت کیا گیا ہے کہ پہاڑوں سے مراد بڑے آدمی اور پرندوں سے مراد ہوائی طاقت کے بلند پرواز آدمی ہیں۔

آیۂ ۲ ہذا میں پہاڑوں اور پرندوں کے مسخر یعنی مطیع ہونے کا ذکر ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ ظاہری پہاڑوں اور پرندوں کا مطیع ہو کر ایک نبی کے ساتھ خدا کی تسبیح و تقدیس میں لگ جانا مراد نہیں ہے۔ پہاڑوں اور پرندوں کو مطیع اور مسخر کرنے کی ضرورت انبیاء کو نہیں ہوتی اور نہ پرندوں اور پہاڑوں کو مطیع و منقاد کرنا اُن کے فرائض میں سے ہوتا ہے اور نہ پہاڑ اور پرندگان نبیوں پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں۔ اگر پہاڑوں اور پرندوں کو بطور استعارہ کے آدمی نہ تصور کیا جائے تو آیۂ کریمہ ہذا کے معنے خبط ہو جاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| (۳) وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔ (۳۸/۱۹) | (۳) اور ہم نے اس کی (داؤد کی) بادشاہی کو مستحکم کیا اور اس کو دانش و حکمت عطا کی۔ اور عدل و انصاف سے مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق بخشی۔ |

تشریح:- فصل الخطاب (ا) فریقین سے مخاطب ہوتے ہوئے کسی مقدمہ کے صحیح فیصلہ کو فصل الخطاب کہتے ہیں۔

ما ینفصل بہ الامر من الخطاب۔ (مفردات راغب)

| | |
|---|---|
| (۴) هَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ۔ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ | (۴) اے پیغمبر! کیا تیرے پاس جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی ہے جبکہ وہ نبی کی نشست گاہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس جا پہنچے۔ تو وہ ان سے ڈرا۔ انہوں نے کہا کہ نہ ڈر۔ ہم دو فریق ہیں۔ ہم میں سے بعض نے بعض پر تعدی کی ہے تو ہمارے |

| | |
|---|---|
| وَاهْدِنَا إِلَى | مابین عدل سے فیصلہ کر |
| سَوَآءِ الصِّرَاطِ۔ | اور انصاف سے انحراف |
| (۳۸/۲۱) | نہ کر۔ اور ہم کو سیدھا |
| | راستہ دکھا۔ |

تشریح:۔ قلعہ کی دیوار پھاند کر اتنے آدمیوں کا بلا اجازت ناگہانی طور پر گستاخانہ حضرت داؤدؑ کے پاس پہنچنا اور سرکشانہ لب و لہجہ سے ان سے مخاطب ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ آپکے دشمن تھے جو جان و مال کا نقصان پہنچانے آئے تھے۔ اور جب انہوں نے حفاظت اور دفاع کے سامان مکمل پائے تو اپنے ارادہ سے باز آئے اور فی الفور یہ بہانہ بنایا کہ ہم دو فریق ہیں جو اپنے اپنے تنازعات کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ اور پھر مقدمہ صرف دو بھائیوں کا پیش کیا کہ مدعی نے کہا کہ میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے اور مدعا علیہ کے پاس ۹۹ بھیڑیں ہیں، وہ مجھ کو مجبور کرتا ہے کہ میں اپنی ایک بھیڑ بھی اس کو دیدوں۔ اب دیکھئے کہ یہ کونسا پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا فیصلہ بادشاہ سے ہی کرانا لازمی تھا۔ حضرت داؤدؑ نے جنگ میں جالوت بادشاہ کو جو الٰہی جماعت کو نابود کرنا چاہتا تھا قتل کرکے بادشاہی سنبھال لی تھی، اسلئے قدرتاً جالوت کی پارٹی کے آدمی ان کے سخت مخالف تھے۔ مگر چونکہ داؤدؑ کے پاس بحری اور ہوائی طاقت کافی موجود تھی اور بڑے بڑے آدمی جو پہاڑ کی طرح مستحکم اور پائیدار تھے ان کے مطیع اور بذیر فرمان تھے اسلئے ان کے اعدا علانیہ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے اور در پردہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے اور اُن کی جان کے درپے تھے۔ حضرت داؤدؑ نے لوہے کے ہتھیار اور سامانِ حرب کے لئے الٰہی راہنمائی سے کارخانے کھول دیئے تھے اور بڑے بڑے کاریگر اور صناع ملک میں پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے ان کارخانوں سے کافی دولت کمائی تھی ان میں مخالف پارٹی کے آدمی بھی تھے جو اندر ہی اندر طاقت بڑھا رہے تھے یہاں تک کہ بادشاہی کا تختہ اُلٹنے کیلئے بھی ہر طرح کی کوشش کرنے لگے اور حضرت داؤدؑ کی جان کے لاگو ہوگئے مگر ان کی زندگی میں علانیہ علمِ بغاوت بلند نہ کرسکے۔ یہاں تک کہ حضرت سلیمانؑ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے لی۔ اسوقت ہر قسم کی تعلیم عام ہوگئی تھی۔ مخالف عناصر کے جراثیم ملک میں پھیل گئے تھے۔ شریروں اور شیاطین کا گروہ جن میں بڑے بڑے کاریگر، صناع، معمار اور اہلِ علم کی خوفناک ہستیاں بھی شامل تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کے خلاف پراپیگنڈا اور حکومت کی بیخ کنی کے لئے جان توڑ کوشش کرنے لگے۔

(۱) وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا (۱) ان یہودیوں نے ان سیاسی نوشتوں

| | |
|---|---|
| الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ | کی پیروی کی جو شیطان اور شریر لوگ |
| سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ | لوگ سلیمان کی حکومت کے خلاف |
| سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ | لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے سلیمان |
| الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا | تو کافر نہیں ہوا تھا لیکن شیاطین |
| يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ | ہی کافر ہوئے تھے جو لوگوں کو |
| السِّحْرَ۔ (۲/۹۹) | پالیٹکس اور فریب کاریاں سکھاتے تھے۔ |

تب حضرت سلیمانؑ نے جنگی بحری اور ہوائی طاقت بدرجۂ کمال پہنچی ہوئی تھی اور ہر قسم کے سامان میسر آگئے تھے ان کی سرکوبی اور ملک میں امن پیدا کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ شریروں اور شیاطین پر جن میں بڑے بڑے آدمی اور بڑے بڑے صناع، کاریگر اور معمار شامل تھے مقدمات چلائے گئے اور فیصلہ کے بعد ان میں سے جو نہایت خطرناک تھے اُنکو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور جو کاریگر صناع اور معمار تھے اُن سے جیل خانوں میں بڑے بڑے صنعتکاری کے کام لئے گئے۔ معماروں سے تعمیرات کا کام لیا گیا، کاریگروں سے ظروف سازی کے کام کرائے گئے اور جو غوطہ زنی کے ماہر تھے ان سے غوطہ زنی کے ذریعہ جواہرات نکلوائے گئے۔ جو کام کرنے سے انکار کرتے تھے اُنکو جلانے والی آگ کے عذاب کا مزہ چکھایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امن و امان کا دور دورہ ہوگیا اور آرام و اطمینان سے حکومت ہونے لگی + (باقی آئندہ)

---

# مسئلہ تعدّدِ ازدواج پر ایک سوال اور اُس کا جواب

## کیا قرآن کریم نے کثرتِ ازدواج کی اجازت صرف یتیم بچوں کی پرورش سے مخصوص کی ہے؟

(از جناب قاضی محمد یوسف صاحب - مردان پشاور)

ایک مجلس میں کثرتِ ازدواج کی ضرورت پر ذکر آیا۔ تو ایک دوست نے فرمایا کہ چونکہ کثرتِ ازدواج کی آیت سورۃ النساء میں یتیموں کی پرورش کے ذکر میں آئی ہے لہذا یہ اجازت صرف یتیموں کی پرورش تک محدود ہے۔ آیت یہ ہے:-

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۭ ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا

(سورۃ النساء آیت ۴)

یعنی اگر تم کو یہ خوف اور فکر ہو کہ تم یتیم بچوں کی پرورش میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں دو دو - تین تین - چار چار کر سکتے ہو۔ اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو۔ یا تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جو تم کو اپنی ماتحت عورتوں میں سے پسند ہوں۔ یہ حکم اسلئے دیا گیا ہے کہ تم بے انصافانہ عمل سے بچ جاؤ۔"

خاکسار نے جواب دیا کہ بے شک یہ آیت یتیموں کی پرورش اور تربیت اور حفاظتِ اموال اور حقوق کے سلسلہ میں وارد ہے مگر یہ اجازتِ مثنیٰ و ثلاث و رباع عام ہے اور اس کا تعلق فانکحوا ماطاب لکم من النساء اور ما ملکت ایمانکم سے ہے اور صرف یتیم لڑکیوں یا اُن کی بیوہ ماؤں سے مخصوص نہیں جیسا کہ آپ کا خیال ہے۔ اُن صاحب نے فرمایا کہ سیاقِ عبارت اس پر دلیل ہے کہ صرف یتیم لڑکیوں اور اُن کی بیوہ ماؤں سے مخصوص ہے۔

خاکسار نے عرض کی کہ میں اس کا جواب قرآن کریم سے دوں گا۔ لہذا جواباً عرض ہے:-

(۱) اگر حکم فانکحوا ماطاب لکم من النساء یتیم لڑکیوں یا اُن کی بیوہ ماؤں سے مخصوص ہوتا او ما ملکت ایمانکم نے اس خصوصیت کو قائم نہ رکھا اور عام کر دیا۔

(۲) خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ یعنی صاحبِ وحی کا عمل قرآن کریم کے صحیح معانی کے واسطے حجت ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نو بیویاں کیں جن میں حضرت خدیجہؓ زوجہ اولیٰ تھیں۔ بے شک وہ بیوہ تھیں مگر بوقتِ نکاح اُن کی کوئی اولاد سابق شوہر سے موجود نہ تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے باکرہ ہونے کی حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورتوں سے نکاح

کیا جن میں اکثر بیوہ تھیں۔ مگر ان کی نہ کوئی اولاد سابق شوہر سے موجود تھی نہ ان کے نکاح کی غرض محض پرورش اور تربیتِ یتامیٰ تھی۔ کیا آپ ان یتیموں کی کوئی فہرست پیش کر سکتے ہیں جن کی پرورش ازواج النبیؐ نے کی؟ پس ثابت ہوا کہ حکم عام ہے۔

(۳) آیت لَا تَنکِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ (پارہ دوم سورۃ البقرہ) میں مشرکہ سے نکاح کے واسطے صرف ایمان لانا شرط قرار دیا ہے نہ پرورشِ یتامیٰ۔ گویا حکم عام ہے۔

(۴) آیت والمحصناتُ من المؤمناتِ والمحصناتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (سورۃ المائدہ پارہ ۶) میں مومنہ ہوں یا اہلِ کتاب ہوں صرف اس کے محصنہ ہونے کی شرط قرار دی ہے نہ پرورشِ یتامیٰ گویا اجازت عام ہے۔

(۵) حرام شدہ رشتوں میں وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم (پارہ ۵ سورۃ النساء) میں ایک طرف حرام شدہ عورتوں سے ما ملکت ایمانکم کو مستثنیٰ قرار دیا دوسری طرف أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ کہہ کر اجازت عام کر دی۔ یتامیٰ کا ذکر نہ کیا۔

(۶) آیت وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (سورۃ النور پارہ ۱۸) میں بیواؤں کے نکاحِ ثانی کا حکم دیا۔ ضروری نہیں کہ ان بیواؤں کی کوئی یتیم اولاد بھی ہو ایسا ہی اماءکم کے ساتھ بھی کوئی شرطِ اولاد نہیں۔ پس یہ حکم بھی عام ہے۔

(۷) اس میں شک نہیں کہ عام حکم واحدۃً کا ہے اور مثنیٰ و ثلاث و رباع کی اجازت أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ سے مشروط ہے اور إِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا کے ساتھ فَوَاحِدَةً موجود ہے۔

(۸) آیت إِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (پارہ ۵ سورۃ النساء) میں صحیح اور من کل الوجوہ پورا عدل قائم کرنے کو انسان کے بس سے باہر بتا کر فرمایا کہ کثرتِ ازدواج منع نہیں مگر ایک خاص بیوی کی طرف بالکل جھک کر دوسری کو معلقہ کر دینا درست نہیں۔

(۹) عدل بین النساء کو شوہر کے بس تک محدود رکھا اور کثرتِ ازدواج کو قائم رکھا۔ یتامیٰ کی تربیت یا بیوہ کا ہونا لازمی نہ رکھا پس اجازت عام ہے۔

(۱۰) آیت وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا (پارہ ۴ سورۃ النساء) میں ایک بیوی کو شرعی قانون کی پابندی کے ساتھ طلاق دے کر اس کے بجائے دوسری بدل لینے کی اجازت تو دی مگر زوجہ سابقہ کے مہر میں سے خواہ وہ سونے کا ڈھیر ہو کچھ لینا منع کر دیا مگر کوئی اور شرط نہ لگائی اور حکم عام رکھا۔

یہ دس آیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ کثرتِ ازدواج مثنیٰ و ثلاث و رباع کی غرض محض پرورشِ یتامیٰ یا نکاح بیوہ صاحبِ اولاد تک محدود نہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کا مصدق ہے اگر کوئی صاحب پھر بھی بضد ہو تو وہ آیات مذکورۃ الصدر کو بھی دلیل سے اس شرط کے ساتھ مخصوص ثابت کرے اور آنحضرت صلعم کی شادیاں بھی محض اسی غرض سے ثابت کرنے ؟

## "اسلامی شریعت کامل اور دائمی شریعت ہے"

سکھر کے ایک بہائی کے چار سوال اور ان کے جواب

—— (بقیہ از صفحہ ۱) ——

بھی ...... ہو سکتا کہ لشکر کے سارے افراد جرنیل، کپتان یا فوجی بن جائیں بلکہ ضروری ہے کہ لشکر میں درجات مقرر ہوں۔"
(رسالہ المبادی البہائیہ صفحہ ۲۲)

پس عورتوں کو ہر رنگ میں مردوں کے مساوی ٹھہرانے والے بہائی اپنے پیشوا کے قول پر غور کریں!۔

**دوسرے سوال کا جواب** | مذکورہ صورت میں عمر کی اولاد کو محروم الارث قرار دینے کے لئے بہائی صاحب نے جس آیت یا حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آیت قرآنی یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کی عمومیت اس صورت پر بھی حاوی ہے۔ اسکے خلاف کوئی قرآنی دلیل پیش نہیں کی گئی اور نہیں کی جا سکتی۔ بعض لوگوں نے اگر اجتہاد کیا ہے تو انکے مخالف اجتہاد کرنیوالے بھی موجود ہیں۔ آخر بہائیوں نے یتیم پوتے کے ورثہ کا مسئلہ شیعوں سے ہی لیا ہے۔

**تیسرے سوال کا جواب** | مندرجہ بالا صورت میں آیت قرآنی وَاِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا کے مطابق ہندہ کا فرض ہے کہ خاوند کی زندگی کیلئے بینہ حاصل کرے۔ اگر تحقیق سے ثابت ہو جائے جیسے کہ میبونہ راتی ہیں کہ اس کا خاوند فوت ہو گیا ہے تو آیت قرآنی وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا کے مطابق چار ماہ دس دن کے بعد اسے دوسری شادی کرنے کی اجازت ہوگی۔

ہم پیر والی ریل کے حادثہ میں کام آنیوالوں کا پتہ لگ چکا ہے اسلئے یہ مثال تو وسوسہ اندازی کے لئے کافی نہیں۔ ہاں یاد رکھیئے کہ اگر خاوند بالکل لاپتہ ہو اور اسکے بارے میں کوئی سراغ نہ مل سکے تو اسلامی فتویٰ یہ ہے کہ عورت چار سال کے بعد یا معاملہ قضاء میں لے جائے اور قاضی خاوند کو میت قرار دے کر عورت کو دوسرے نکاح کی اجازت دے دیگا۔

جناب بہاء اللہ نے لکھا ہے:۔

"وان اتاها خبر الموت او القتل وثبت بالشياع او بالعدلين لها ان تلبث في البيت اذا مضت اشهر معدودات لها الاختيار فيما تختار" (الاقدس)

کہ اگر عورت کو خاوند کی موت یا قتل کی خبر پہنچے اور وہ خبر اپنی شہرت یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے تو گنتی کے چند ماہ وہ عورت گھر میں بیٹھی رہے پھر جو چاہے کرے۔"

بہائی صاحب سے درخواست ہے کہ اس قانون کو جہم پیر کے حادثہ پر چسپاں کر کے وضاحت کریں! بہائی عورت اس صورت میں کیا کریگی؟

**چوتھے سوال کا جواب** | سوال میں درج شدہ صورت قتل عمد کی ہے قتل خطاء کی نہیں۔ غلطی سے قتل کرنیوالے کے لئے حکم ہے وَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا (النساء ۹۲) کہ اس سے خون بہا لیا جا سکتا ہے مگر عمداً قتل کرنیوالے سے خون بہا لینے کا کوئی سوال نہیں۔ اور پھر جب یہ ثابت ہو کہ یہ "خون ناحق" رشتہ داروں کی سازش سے قتل ہوا تو وہ تو اسلامی معاشرہ کے دشمن ہیں ان کا حکم عَدُوٌّ لَّکُمْ کا حکم ہے وہ خون بہا لینے کے حقدار نہیں ایسی صورت میں وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ (البقرہ ۱۷۹) کے مطابق قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اور قرآنی حکم وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْرًا (الاسراء ۳۳) کے مطابق حکومت اس مقتول کی ولی ہوگی اور قاتل اور اسکے سازشی ساتھیوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت مجرموں کو پناہ نہیں دیتی۔ پس وہ کامل اور ناقابل منسوخ شریعت ہے۔

> پتہ کی تبدیلی کی اطلاع ہر ماہ کی پندرہ تاریخ سے قبل آنی چاہیئے۔
> بقایا داران اپنے بقایاجات جلد ادا فرمائیں!
> مینیجر

# الہامی کتاب کی صداقت پرکھنے کے معیار[1]

**معیار اوّل:۔** جیسا کسی کا علم ہوتا ہے ویسی ہی اسکی تصنیف ہوتی ہے جس قابلیت کا کوئی صانع ہے اسی درجہ کی اسکی صنعت ہوگی اس تصنیف اور مصنوع سے صانع و مصنف کی بہت سی صفات و قابلیتوں کا علم ہو سکتا ہے۔ اہل مذاہب میں یہ ایک مسلّم امر ہے کہ خدا تعالیٰ ایک بے نظیر و بے مثل ہستی ہے جیسے کہ فرمایا۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کہ اس کی مانند کوئی چیز نہیں پس ضرور ہے کہ اسکی کتاب بھی اسی طرح عدیم النظیر ہو جس طرح کہ وہ خود ہے ورنہ اسکی طرف منسوب کرنا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات میں اپنی کتاب کی نسبت یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہ لا سکیگا۔ جیسے کہ فرمایا:۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ اگر تم کو اسمیں جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پر اتارا ہے کچھ بھی شک ہے تو اسکی (بلکہ اسکے کسی چھوٹے سے چھوٹے حصے کی) مثل دکھاؤ اور اس کام میں اپنے مصنوعی دیوتاؤں کو بھی شریک کر لو ...... اگر تم نے ایسا نہ کر دکھایا اور یہ ہم پہلے ہی بتائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہیں کر سکو گے تو پھر اُس آگ سے ڈرو ...... جو منکرین قرآن کیلئے تیار ہو رہی ہے۔ پھر فرماتا ہے:۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ کہ اگر جن و انس قرآن کریم کی نظیر لانے کیلئے اجتماع کر لیں تو پھر بھی ہرگز اس کی نظیر نہ لا سکیں گے۔ نعم ما قیل ؎

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا ✽ بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے
بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز ✽ تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

بھلا غور تو کیجئے کہ ہزاروں نامی شعراء موجود ہیں اور ہزاروں فصحاء و بلغاء کے مدعی خطیب پائے جاتے ہیں۔ ایک ان پڑھ آدمی چیلنج دیتا ہے اور استعمال ہونے والے کلمات سے انکی غیرت کو اکساتا اور جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے مگر چودہ سو سال گزرتے ہیں اور وہ اسکی نظیر نہیں لا سکے تو کیا اسمیں ذرا بھی شک رہ جاتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے انسانی طاقت کو اسمیں ذرا بھی دخل نہیں کیونکہ جو کام ایک انسان کر سکتا ہے اسے دوسرا یا بہت سے انسانوں کی مجموعی طاقت بھی کر سکتی ہے۔ ہمارا آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اکیلا ہے اور مقابل پر سارا جہان ہے پھر کونسی طاقت تھی جس نے انکی زبانیں بند کر دیں اور انکے قلم روک دیئے محض اس کتاب کا اس بے نظیر ہستی کی طرف سے ہونا جو اسکی صداقت کی جلی دلیل ہے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ آئندہ بھی اسکی کوئی نظیر نہ لا سکے گا۔

**معیار دوم:۔** ہر ایک دوائی اور غذا اپنے اپنے موقع پر مفید اور نفع رساں ہوتی ہے اور اگر بے موقع و بے محل استعمال کی جائے تو بجائے فائدہ کے اُلٹا نقصان کرتی ہے اسی طرح طبیب کی بھی ضرورت پیش آتی ہے جب کوئی مریض بھی ہو پس الہامی کتاب کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ فسادات و تنازعات کے موقع پر بھیجی جائے ورنہ پھر اُلٹا اثر کرے گی کیونکہ اگر ہم ایک بچے کو جو زنا، شراب خوری وغیرہ وغیرہ کا نام تک نہیں جانتا یہ کہیں کہ شراب مت پیو یا چوری مت کرو تو اسکی غرض سوائے اسکے کہ اسے ان جرائم کی ترغیب دی جائے اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جب بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی طبیب کتاب کو ایسے زمانہ میں اُتارا جبکہ تمام دنیا شرک و فسق اور ضلالت اور گمراہی میں مبتلا تھی اس حالت کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے کہ:۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی اہل کتاب و غیر اہل کتاب سب

[1] یہ مختصر مضمون خاکسار نے چونتیس سال قبل رسالہ تشحیذ الاذہان بابت ماہ جولائی ۱۹۲۰ء میں لکھا تھا جسے ایڈیٹر رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے شائع فرمایا تھا۔ اُسوقت میں مدرسہ احمدیہ کی چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ مدرسہ میں داخلہ کا معیار پرائمری تھا۔ (ابو العطاء جالندھری)

بگڑ چکے تھے تب اس کتاب کو اتارا گیا جو عین مناسب وقت تھا۔

**معیارِ سوم**:۔ الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے منزل کے وجود پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالے کیونکہ نئی کتاب کے نازل کرنیکا مقصد و مطلب ہی یہی ہے کہ اس ورا ء الوراء ہستی کو معلوم کر کے اسکے مقرب بننے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ نہیں تو وہ کتاب ہی بے غرض و بے مدعا ہے۔

اس معیار کو نظر تعمق سے دیکھنے سے واضح ہوگا کہ یہ ایک نہایت ہی عظیم الشان اور بیّن ثبوت ہے اور اس معیار میں سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب کسی صورت میں بھی پوری نہیں اتر سکتی۔ کیونکہ ویدوں میں بقول اکثر ہندو وایو، اگنی وغیرہ کی عبادت پر زور دیا گیا ہے۔ اور بائیبل میں ایک عاجز انسان کو خدا منوایا گیا ہے۔ صرف قرآن کریم ہی ایسی کتاب ہے جو اپنے منزل کا حقیقی طور پر پتہ دیتی ہے۔ دیکھئے اس مختصر کتاب میں کس طرح توحید بیان کی گئی ہے۔ فرماتا ہے:۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ کہ خدا ایک ہے جو جزو وغیرہ سے مبرا ہے اور وہ تمام صفات کاملہ کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کوئی اس کا باپ ہے اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔

**معیارِ چہارم**:۔ الہامی کتاب ایسی کتاب ہو کہ اسکی تعلیم پر عامل ہونے سے انسان خدا کا پیارا و مقرب اور لوگوں کے لئے قابل نمونہ بن سکتا ہو کیونکہ برعکس صورت میں نتیجہ نکلیگا کہ وہ کتاب کامل نہیں۔ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا:۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ کہ تمہارے لئے رسول ایک اسوہ حسنہ ہے۔ پھر فرمایا:۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کہ تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہدے کہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو پھر میری اتباع و اطاعت کرو اس کے بعد تم خدا کے پیارے بن سکتے ہو۔ پھر فرمایا:۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کہ جن لوگوں نے متبعین قرآن کی بھی پیروی کی وہ بھی خدا کے راضی کرنے والے بن گئے۔ پس اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے کہ جبکہ اس کے پیروؤں کے پیروؤں کا یہ حال ہو کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ امت محمدیہ میں جو بے شمار علماء اور اولیاء اللہ گزرے ہیں وہ صرف اسی پاک کتاب کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ ان کو شرف مکالمہ الٰہیہ عطا ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ مقربین بارگاہ صمدی سے تھے۔

**معیارِ پنجم**:۔ الہامی اور کامل کتاب کے لئے سب سے اشد ضروری یہ بات ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہو تاکہ انسانی دست برد سے بچ سکے۔ ورنہ اس کی صحت یا غیر صحت کا پتہ لگانا ایک مشکل کام ہوگا۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ کہ ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اسکے محافظ ہونگے۔ آج قرآن مجید پر چودہ سو سال گزرے ہیں مگر اس کے ایک شوشہ تک میں فرق نہیں پڑا۔ کسی کتاب کی حفاظت دو قسم کی ہوتی ہے (۱) لفظی (۲) معنوی۔ اگر لفظی حفاظت نہ ہو تو الفاظ میں فتور پڑ جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی لفظی حفاظت کے لئے قرّاء و حفّاظ کو پیدا کیا تاکہ اس کا کوئی لفظ نہ بگڑ جائے۔ اگر دنیا پر کوئی ایسا موقع بھی آجائے کہ سوائے انسان کے سب ہلاک ہو جائیں اور روئے زمین پر کوئی نہ باقی بچے تب بھی قرآن کریم برباد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ صرف اوراق میں ہی نہیں بلکہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔

اور اگر معنوی حفاظت نہ ہو تو بھی اس کتاب پر اعتبار کرنا ناممکن ہوگا اور صحیح معنی معلوم کرنے محال ہو جائیں گے۔ اسلئے ابتداء ہی سے خدا کے نیک بندے اس کام کو سرانجام دیتے رہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا کہ امت محمدیہ میں ہر صدی میں ایک مجدد آتا رہے گا جو اس امت کے دین کی تجدید کریگا۔

**معیارِ ششم**:۔ کسی کتاب کی سچائی پرکھنے کا چھٹا ذریعہ

سلسلہ وار ترجمہ و تفسیر

# البیان

## قرآن مجید کا سلسلہ اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل میرے اس احسان کو جو میں تم پر کرچکا ہوں یاد کرو

عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ [۱] وَاتَّقُوْا

اور (اس احسان کو بھی) کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی - اور اس دن سے

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

ڈرو کہ (جس دن) کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا قائم مقام نہ بن سکیگا اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش منظور کیجائیگی

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

اور نہ اس سے کسی قسم کا معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جاوے گی -

[۱] عربی زبان میں عالَمْ ان موجودات کو کہیں گے جن سے ذات باری کا علم حاصل ہو۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے باقی کائنات میں اشرف قرار دیا ہے اور اسے اپنی خاص وحی اور الہام سے نوازا ہے اسلئے انسان کو خاتم المخلوقات یا افضل المخلوقات کہا جاتا ہے۔ ہر نبی اپنے زمانہ میں بہترین وجود ہوتا ہے اور اسکے ماننے والے باقی سب لوگوں سے افضل ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں لمبے عرصہ تک سلسلۂ نبوت جاری رہا۔ اسی نعمت ربانی کا نتیجہ تھا کہ بنی اسرائیل اپنے زمانہ میں دوسرے تمام لوگوں سے افضل قرار دیئے گئے تھے لیکن جب یہ نعمت چھن گئی اور بنی اسرائیل اپنے بُرے افعال کے باعث راندۂ درگاہ و ایذدی ہو گئے تو وہ اپنے افضلیت کے مقام سے گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ انہیں ان کے سابقہ مرتبہ کی یاد دلا کر غیرت دلائی ہے تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر پھر خیر اُمّة اور خیر البریّة میں شامل ہو جائیں۔ امام راغب لکھتے ہیں وقوله اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ قيل اراد عالمى زمانهم وقيل اراد فضلاء زمانهم الذين يجرى كل واحد منهم مجرى كل عالم لما اعطاهم ومكنهم فيه (المفردات)

وَإِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کی قوم سے اس حالت میں نجات دی کہ وہ تمہیں بدترین عذاب دے رہی تھی

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ

تمہارے لڑکوں کو (ایک ایک کر کے) ذبح کرتی تھی اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتی تھی۔ اور تمہارے رب کی طرف

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

سے اس (بات) میں (تمہارے لئے) ایک بڑی آزمائش تھی اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑا

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَ

پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور تمہاری نظروں کے سامنے فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور (اسوقت کو بھی یاد کرو)

إِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے (چلے جانے) کے بعد ظلم سے کام لیتے ہوئے

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

بچھڑے کو (معبود) بنا لیا۔ پھر ہم نے اس کے بعد تمہیں معاف کیا

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَإِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

تاکہ تم شکر گذار بنو۔ اور (اسوقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے موسےٰ کو

---

۵۸ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ فرعونی تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے جس میں ذلت اور اہانت کا پہلو پایا جاتے۔ لغت میں لکھا ہے۔ السَّوْمُ: اصله الذهاب فی ابتغاء الشیٔ فهو لفظ لمعنی مرکب من الذهاب والابتغاء واجری مجری الذهاب فی قولهم سامت الابل فهی سائمة ومجری الابتغاء فی قولهم سمت كذا قال یسومونکم سوء العذاب (المفردات) گویا سَوْمٌ کے اصل معنے کسی چیز کی تلاش میں جانے کے ہیں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ فرعونی تمہیں اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔

۵۹ اس میں عذاب کی نوعیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے :- (آ) "فرعون نے اپنے سب لوگوں کو تاکید کر کے کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو اور جو بیٹی ہو جیتی رہنے دو۔" (خروج ۱/۲۲) (ب) "اس نے ہماری قوم سے چالاکی کر کے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ یہاں تک بدسلوکی کی کہ انہیں اپنے بچے پھینکنے پڑے تاکہ زندہ نہ رہیں" (اعمال ۷/۱۹)

۶۰ بائیبل میں اس کے تفصیلی ذکر کے لئے خروج باب ۱۴ ملاحظہ فرمائیں۔

الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ[۱۱] لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

کتاب (یعنی توراۃ) اور فرقان دیئے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو) تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر یقیناً اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ[۱۲] ذٰلِكُمْ

اسلئے تم اپنے پیدا کرنیوالے کی طرف جھکو اس طرح سے کہ اپنے (آدمیوں) کو (آپ) قتل کرو یہ بات

خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ

تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔ تب اسنے تمہاری طرف فضل کے ساتھ پھر توجہ کی۔ وہ یقیناً اپنے بندوں کی

الرَّحِيْمُ ○ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ

طرف) بہت توجہ کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔ اور (اسوقت کو بھی یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تیری بات ہرگز نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو

جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ ثُمَّ

آمنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس پر تمہیں ایک مہلک عذاب نے پکڑ لیا اور تم (اپنی آنکھوں سے اپنے فعل کا انجام) دیکھ رہے تھے پھر

بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَظَلَّلْنَا

ہم نے تمہاری ہلاکت کے بعد تمہیں اس لئے اٹھایا کہ تم شکر گزار بنو اور ہم نے تم پر

[۱۱] اس جگہ الکتاب سے مراد توراۃ ہے اور الفرقان سے مراد وہ موسوی معجزات ہیں جو حق و باطل میں فرق کرنیوالے تھے۔ امام راغب لکھتے ہیں۔ والفرقان ابلغ من الفرق لانّہ یستعمل فی الفرق بین الحق والباطل کہ لفظ الفرقان لفظ فرق سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے کیونکہ فرقان اس تفریق کے لئے استعمال ہوتا ہے جو حق اور باطل میں ہوتی ہے۔

[۱۲] بائیبل میں آتا ہے ”تب موسیٰ لشکر گاہ کے دروازے پر کھڑا ہوا اور کہا جو خداوند کی طرف ہے سو میرے پاس آئے۔ تب سب بنی لاوی اس پاس جمع ہوئے اور اس نے انہیں کہا کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک تمام لشکر گاہ میں گزرتے پھرو اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے“ (خروج ۳۲/۲۷) گویا بچھڑے کے بجاریوں کی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ صوفیاء نے قتل نفس کی تفسیر میں اپنی جان کا معنوی قتل بھی ذکر کیا ہے یعنی نفس کی خواہشات اور اس کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنا +

عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ٦٣ كُلُوا

بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے لئے مَن اور سلویٰ اُتارا ہے (اور کہا کہ) ان پاک چیزوں میں

مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ

سے جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ اور انہوں نے (نافرمانی کرکے) ہمارا نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے

يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ٦٤ فَكُلُوا مِنْهَا

تھے اور (اس وقت کو بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جہاں سے چاہو

حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ ٦٥

بافراغت کھاؤ اور (اسکے) دروازے میں جُھکتے ہوئے فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہو اور کہیو (کہ ہم) بوجھ ہلکا کرنے کی التجا

نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ

(کرتے ہیں)، (تب) ہم تمہاری خطاؤں کو بالکل معاف کر دینگے اور ہم محسنوں کو ضرور بڑھائیں گے پھر (ان کی شرارت کو دیکھو کہ) ان ظالموں

الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى

نے اس بات کے خلاف جو انہیں کہی گئی تھی ایک اور بات بدل (کہنی شروع کر) دی جس پر ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے

الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ ع ٦

ظلم کیا تھا ان کے نافرمان ہونے کے سبب سے آسمان سے ایک عذاب نازل کیا۔

---

٦٣ جنگل کی آنا لستی زندگی میں بنی اسرائیل کیلئے جو رزق بطور احسان وتحفہ ملتا تھا وہ بہرحال جنگل کے پودے اور پرندے وغیرہ ہی ہو سکتے ہیں تفسیروں میں المنّ والسلویٰ سے مراد ترنجبین اور بٹیر کی قسم کے جانور لئے گئے ہیں (تفسیر النسفی) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الکمأۃ من المنّ وماؤھا شفاء للعین (البخاری) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھمبی کے پودے کو بھی المنّ سے قرار دیا ہے۔ انزلنا کے معنے اس جگہ خاص قدرت سے پیدا کرنے کے ہیں۔

٦٤ بنی اسرائیل جب جفاکشی کی زندگی کی تاب لاسکے اور شہری زندگی کے لئے بے تاب ہو گئے تو انہیں بتایا گیا کہ آبادی میں جاکر رہنے سے وہاں کے نظام کے تابع ہو کر رہنا پڑیگا۔ اس بستی کا ذکر سورۂ اعراف ع۲۰ میں بھی ہے۔ تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بیت المقدس۔ اریحا۔ ایلیہ۔ مدین۔ طبریہ وغیرہ مختلف شہر مراد لئے گئے ہیں۔ عربی لغت کے رُو سے ہر آبادی پر قریہ کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ ارضِ کنعان بھی مراد لی گئی ہے۔

٦٥ حِطَّةٌ سے مراد گناہوں کی معافی مانگنا ہے یا پھر شہری نظام کے آگے جُھک کر زندگی بسر کرنا ہے۔

# حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ تمثیلی زبان میں بیان ہوا ہے!

(مکرم محمد یوسف صاحب مولوی فاضل)

قرآن مجید اپنے بیان میں ایک خاص اسلوب رکھتا ہے اور اس کی یہ خوبی اعجاز کے حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ سو وقت میں صرف واقعۂ آدم کی تمثیل سے متعلق اپنے موضوع کو محدود رکھوں گا۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

**ترجمہ:۔** یاد کرو اس واقعہ کو جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کیا تو اسے بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کریگا اور خونریزی کریگا درآنحالیکہ ہم حمد کیساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیرے لئے تقدیس کرتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

واقعۂ آدم علیہ السلام کا اسلوبِ بیان ایک خاص شان رکھتا ہے اور جب تک اِس اسلوب کو سمجھا نہ جائے زیرِ نظر آیت کا سمجھنا مشکل ہے۔ صحفِ سابقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا اندازِ بیان تمثیلی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا کلام اکثر مجازات اور استعارات میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گئے وقتوں میں انسانی دماغ اتنا روشن نہ تھا کہ وہ رُوحانی عالم کے ہر گلی کوچہ سے واقف ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور جنت و دوزخ کی کیفیات کا ادراک انکے ذہن کے لئے ناممکن تھا اسلئے ان کی ذہنی استعدادوں کے مطابق کلامِ الٰہی استعارات اور مجازات پر مشتمل ہوتا اور کلمات نبوت بھی ایسے ہی ذہن رسا ہوتے جن کا اکثر حصہ تمثیلوں میں اُتارا جاتا۔ چنانچہ واقعۂ آدمؑ کو بائیبل نے تمثیلی رنگ میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کی کتاب رگوید نے بھی یہی طریق اختیار کیا ہے۔ گویہ طریق وقت کی اقتضاء سے قرونِ ماضیہ میں بہت مفید رہا ہے مگر ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس کا چلا جانا طبعی امر تھا اسلئے قرآن پاک نے صفاتِ الٰہیہ اور دیگر نظری امور تشبیہات کے بجائے اصل پیرایہ میں ڈھالے ہیں لیکن ذوقِ انسانی کے پیشِ نظر اور اس صداقت کو منوانے کے لئے کہ گذشتہ تمثیلی کلام بھی اللہ تعالیٰ ہی کا تھا بعض جگہ پر قرآن مجید نے بھی یہ طریق اختیار کیا ہے اور واقعات کو تمثیلی شکل میں پیش کیا ہے۔ زیرِ غور آیت کریمہ میں ملائکہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان جو مکالمہ ہے درحقیقت یہ ایک واقعہ کو زبانِ حال سے تعبیر کیا گیا ہے بعض مفسرین نے اِس آیت کی تفسیر کرتے وقت روایات کی بنیاد اسرائیلیات پر رکھتے ہوئے بہت کچھ رطب و یابس ملا لیا ہے جو قرآن پاک کی شان کے شایاں نہیں حالانکہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ مکالمہ صرف زبانِ حال سے ہوا ہے نہ زبانِ قال سے تو اسمیں کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ ہمیں عربی زبان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب لوگ بعض دفعہ ایک ایسی بات کو قول کہہ دیتے تھے جو ابھی کہی نہ گئی ہوتی تھی بلکہ دل میں ہوتی۔ اور کبھی قول کا لفظ محض عقیدہ رکھنے کے مفہوم پر بھی استعمال کیا جاتا۔ اور بعض دفعہ کسی چیز کی حالت کسی بات پر دلالت کرے تو وہاں بھی یہ قول کا لفظ چسپاں کرتے تھے۔ الہام کے لئے بھی قول کا لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور ایک معنی

یہ ہیں کہ اگر کسی چیز کی طرف بہت میلان ہو تو قول کا لفظ بولتے ہیں۔ (المفردات) اس جگہ پر قال سے مراد یہ ہے کہ زبانِ حال سے یہ کہا یعنی ان کی حالت اس بات پر دلالت کر رہی تھی۔

تاریخ لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب لوگوں نے اس طریق کو بہت اپنایا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ عربی میں ایک مکالمہ آتا ہے "قال الجدار للوتد لما تشقنی قال سَلْ مَن یدقنی" کہ دیوار نے کیل سے کہا کہ تو مجھے کیوں پھاڑتا ہے! کیل نے کہا کہ تو اس سے پوچھ جو مجھے ٹھونکتا ہے۔ یہاں پر قال کا لفظ آیا ہے مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ دیوار میں قوتِ گویائی آگئی تھی یا کیل میں ڈیڑھ تولہ کی زبان لٹک رہی تھی بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی ظاہری حالت اس بات پر دلالت کر رہی تھی جس کو مکالمہ کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ قالت لہ العینان سمعاً وطاعۃً کہ آنکھوں نے اس سے کہا کہ تمہارا کہنا سر آنکھوں پر۔ اس مصرع میں قول کی اضافت آنکھوں کی طرف کی گئی ہے جن میں قوتِ گویائی نہیں۔ مگر چونکہ انکی ظاہری حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے اسلئے بزبانِ حال وہ کہہ رہی ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات بے جان چیز کی طرف ارادہ کو منسوب کر دیتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے فوجدا فیھا جداراً یرید ان ینقض کہ انہوں نے اس شہر میں دیوار پائی جو گرنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ اردو میں کہیں گے وہ گرا چاہتی تھی۔ اب یہاں پر ارادہ کی اضافت دیوار کی طرف ہے جو ارادہ نہیں رکھتی۔ اسکی مثال عرب کے کلام میں بھی ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہوا

فی مھمہ فلقت بہ ھاماتھا

فلق الفئوس اذا اردن نصولا

کہ ایک جنگل میں اس طرح پھوٹی ہوئی کھوپڑیاں پڑی تھیں جس طرح کلہاڑا لکڑیاں پھاڑنے کا ارادہ کرتا ہے۔ یہاں پر ارادہ کی اضافت کلہاڑے کی طرف کی گئی ہے جس میں ارادہ نہیں ہوتا۔ ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کی حالت ایسی بات پر دلالت کر رہی ہوتی ہے جسکو ہم مکالمہ کے رنگ میں ڈھال لیتے ہیں اسلئے حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ بناتے وقت بھی فرشتوں اور خدا تعالیٰ کے درمیان جو کلام ہوا اگر اس کو بھی ایسا ہی مکالمہ خیالی کر لیا جائے جو زبانِ حال ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اب میں اس آیت کی مختصر سی تفسیر کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ میں ایک ایسے شخص کو مبعوث کرنیوالا ہوں جو خسروانہ احکام کا نفاذ کریگا جو بعض لوگوں کی تنفیذ کے وقت تعمیل اور عدم تعمیل کی صورت میں خونریزی ہوتی ہو اسلئے فرشتوں نے اس خامی کا ذکر کر کے ادب سے اپنی علمی تشنگی کو دور کرنیکی درخواست کی کہ اے خدا! یہ تو درست ہے کہ تو ایک انسان مبعوث کریگا مگر اسکی حکمت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ تو پاک اور قابلِ تعریف ہو اسلئے تیرا کوئی فعل تیری مقدس صفات کا نقیض نہیں ہو سکتا مگر ہمیں ہماری رائے میں نظر آتا ہے کہ یہ خونریزی تیری شان کے خلاف ہے اور تیری حکمت کے متناقض۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درست ہے مجھے اس سے انکار نہیں مگر وہ پاکیزہ سرشت جو میں آدم کو بخشنے والا ہوں تم اس راز سے واقف نہیں۔ تمہیں تو وہ قوتیں ہی ودیعت نہیں کی گئیں۔ آدم میرے الطاف خسروانہ کا وارث ہوگا۔ میں اس سے اپنا جلال ظاہر کرونگا اور وہ دنیا میں میری صفات کا آئینہ ہوگا اور میرے احکامات کی تنفیذ کرے گا۔ اس کی فطرت میں میری محبت کے میٹھے راگ پھوٹیں گے۔ میری آواز پر وہ سر دھنے گا۔ میں اسکی معنوی اور صوری اولاد بناؤں گا اور وہ اس کثرت سے پھیلے گی جس طرح آسمان پر ستارے اور اسے برگزیدہ کروں گا۔

---

# شذرات

## (۱) مودودی جماعت نہ حنفی ہے نہ اہلحدیث

ایڈیٹر صاحب الاعتصام لاہور لکھتے ہیں :-

"اہلحدیث درحقیقت وہ ہے جو براہِ راست کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرے اور اس میں کسی درمیانی واسطہ کا قائل نہ ہو لیکن جماعت اسلامی کے ارکان میں ہمیں افسوس ہے کہ یہ بات نہیں ہے۔ ان کا الگ ایک ذہن ہے، الگ عقائد ہیں، الگ نظریہ ہے، الگ جماعتی تعصبات ہیں اور الگ ایک مستقل لٹریچر ہے جس سے وہ استفادہ کرتے ہیں اور ہر موقع پر اس کو وہ عملاً ایک واسطہ قرار دیتے ہیں جس کی بناء پر یہ اہلحدیث تو خیر ہیں ہی نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حنفی بھی نہیں ہیں بلکہ اہل سنت کا ایک پانچواں فرقہ ہے۔" (الاعتصام ۱۵ ار اکتوبر ۱۹۵۳ء)

اگر یہ درست ہے کہ مودودی جماعت کا ذہن بھی الگ ہے، ان کے عقائد بھی الگ ہیں، ان کا نظریہ بھی الگ ہے اور انکے جماعتی تعصبات بھی الگ ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ مودودی صاحبان کے اصول کے مطابق مسلمان انہیں اقلیت قرار دیکر ان کی علیحدگی کا مطالبہ نہ کریں۔ مدیر الاعتصام نے انکو اہلحدیثوں اور احناف سے خارج کرکے اہلسنت کا پانچواں فرقہ تو کہہ کالم قرار دیا ہے مگر اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "اہلسنت کی تعریف" میں الاعتصام لکھ چکا ہے کہ :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا مَنْ اهل السنة کہ سنت پر عمل پیرا کون لوگ سمجھے جائیں گے؟ فرمایا ما انا علیه الیوم واصحابی (ملل ونحل شہرستانی ص جلد ۱) یعنی آج میرے زمانہ میں جو طریقہ میرا اور میرے اصحاب کا ہے اس پر چلنے والے اور اسکے مطابق عمل کرنیوالے اہلسنت ہیں" (۱۵ ار اکتوبر ۱۹۵۳ء)

جب اہلسنت کی تعریف یہ ہے تو اس میں چوتھے یا پانچویں فرقے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کا طریق ایک تھا چار یا پانچ طریقے نہ تھے۔ پس ماننا پڑیگا کہ اوّل تو یہ چاروں پانچوں فرقے "اہلسنت" نہیں ہیں یا کم از کم ایک کے سوا باقی فرقے تو اہلسنت نہیں انکا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

## (۲) مولانا ابوالکلام آزاد کے فیصلہ کے اثرات

مالیر کوٹلہ کی جماعت اہلحدیث کی مسجد میں اسلامی جماعت کا خطیب مقرر ہو گیا۔ اس نے اہلحدیث کے منبر کو اپنے مسائل کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا جس سے جماعت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ فریقین نے فیصلہ کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کو ثالث تسلیم کر لیا۔ انہوں نے اسلامی جماعت کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس پر اسلامی جماعت والے بہت جز بز ہو رہے ہیں۔ مدیر الاعتصام لکھتے ہیں کہ :-

"مدیر تسنیم مولانا کے فیصلے پر دراز نفسی کرتے ہوئے جوشِ غضب میں یہاں تک فرما گئے کہ مولانا نے جماعت اسلامی کے آدمی کی اس لئے مخالفت کی ہے کہ وہ جس حکومت کے رکن ہیں جماعت اسلامی اس حکومت کے نزدیک معتوب ہے"۔

مودودی صاحبان کے غیظ وغضب کا اصل سبب کیا ہے؟ الاعتصام کے ایڈیٹر صاحب کی زبانی سنیئے :-

"اصل میں بات یہ ہے کہ خود پاکستان کی جماعتِ اسلامی کی پوزیشن اس سلسلے میں کمزور ہے انہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ مولانا کے اس فیصلے سے اگر

پاکستانی حضرات بھی متاثر ہو گئے تو ان کے لئے یہ چیز بڑی مشکلات کا باعث ہوگی۔ احناف کی مساجد میں تو انہیں پہلے سے ہی کوئی گھسنے نہیں دیتا کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل حدیث کی مساجد میں بھی وہ جگہ نہ پا سکیں۔"

(الاعتصام ۱۵ اکتوبر ۵۲ء)

ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جب مودودی حضرات "الگ ذہن، الگ عقائد، الگ نظریہ اور الگ جماعتی تعصبات" رکھتے ہیں تو ان کی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد کیوں نہ ہو۔ خواہ مخواہ وہ دوسروں کی مسجدوں میں گھس کر اندرونی کامیابی کیوں کرتے ہیں؟

## (۳) مودودی جماعت کے جماعتی تعصبات

مولوی محمد اسحاق صاحب مدیر الاعتصام کے مضمون کی سطور ذیل توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

"اسی لاہور میں کرشن نگر کے علاقہ میں جماعت اسلامی کے ایک بہت بڑے ذمہ دار رکن کے مکان کے قریب ایک مسجد ہے اس میں جماعت اسلامی کا خاصا اثر ہے۔ گزشتہ سال انہوں نے ایک صاحب سے کہا کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھایا کیجیے مگر شرط یہ ہے کہ یہاں جماعت اسلامی کی تبلیغ کرنا ہوگی اور آمین اور رفع یدین وغیرہ مسائل ترک کرنا ہوں گے۔ ایک اور اہلحدیث دوست سے ایک رکن جماعت نے کہا کہ فلاں مسجد میں آپ خطابت و امامت کے فرائض اس شرط پر سنبھال لیجیے کہ وہاں آپ جماعت اسلامی کی تبلیغ کریں گے اور آمین و رفع یدین وغیرہ مسائل کو ترک کر دیں گے۔ پچھلے سال لاہور میں ایک گشتی شفاخانہ میں ڈاکٹر کی امداد کے لئے ایک معاون کی ضرورت تھی اس پر ایک اہلحدیث نے بھی جماعت اسلامی کے ایک رکن کے کہنے پر درخواست گزاردی مگر ان کی درخواست اس بناء پر مسترد کر دی گئی کہ چونکہ شفاخانہ کے لئے جماعت اسلامی کا ایک آدمی میسر آگیا ہے اس لئے غیر جماعت کے آدمی کو اس کے مقابلے میں ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ حالانکہ ان کی درخواست جماعت اسلامی کے آدمی سے بہت پہلے دی گئی تھی۔"

(الاعتصام ۱۵ اکتوبر ۵۲ء)

ہم مودودی صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ امامت و خطابت کی پیشکش یا اسلامی جماعت سے وابستگی کرنے والے کے دل تک آپ کا ساتھ دیں گے۔ کیا کسی قدر اترس متقی جماعت کا یہ رویہ ہو سکتا ہے؟ پھر جب آپ کو گشتی شفاخانہ میں ڈاکٹر کے معاون کے طور پر اہل حدیث کو بھی رکھنا منظور نہیں تو آپ کو کیا حق ہے کہ سارے مسلمانوں سے کھالیں لیں اور ان کے روپے سے گشتی شفاخانہ کا کاروبار کریں۔

## (۴) اسماعیلوں کے عقائد و اعمال

شیعوں کا ایک فرقہ اسمٰعیلی کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر زاہد علی صاحب سابق وائس پرنسپل نظام کالج حیدرآباد دکن نے جو خود اسمٰعیلی ہیں اس فرقہ کے بارے میں حال ہی میں ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے طلوع اسلام کراچی نے اسمٰعیلیوں کے عقائد و اعمال کے متعلق لکھا ہے:۔

"ان کے نزدیک (۱) لا الٰہ الا اللّٰہ کے معنی ہیں لا امام الا امام الزمان۔ (۲) قرآن کی آیت لو کان فیھما الھۃ الا اللّٰہ لفسدتا میں الٰہ سے اشارہ امام کی طرف ہے۔ (۳) ھو اللّٰہ الخالق الباری المصور سے مراد عقل اول یا امام الزمان ہیں۔ (۴) عالم الغیب والشھادۃ سے مقصود مولانا قائم ہیں جو قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔ (۵) سورۂ اخلاص میں آنحضرتؐ اور آپ کے

اہل بیت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ (۶) شرک کے معنی اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا نہیں بلکہ ایک امام کی دعوت کے ساتھ کسی دوسرے امام کی دعوت کو ملانا ہے۔ (۷) رسول اللہ کی حیثیت ایک مستودع کی ہے اور حضرت علیؓ مستقر۔ (۸) رسول اللہ کے بعد ایک ساتویں رسول پیدا ہوا تھا جو اس مذہب کا بانی (محمد بن اسماعیل) ہے۔ (۹) انبیاء تمام (مع رسول اللہؐ کے) گنہگار ہیں اور صرف ان کے امام معصوم ہیں۔ (۱۰) حضرت علیؓ رسول اللہؐ کے ساتھ رسالت میں شریک تھے۔ (۱۱) حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ کا رتبہ رسول اللہؐ سے چار درجے بڑا ہے۔ (۱۲) اذان میں اشہد ان محمداً رسول اللہؐ سے ان کے مذہب کے اول امام محمد بن اسماعیل کی رسالت کی شہادت مراد ہے۔ (۱۳) قرآن کریم انجیل وغیرہ کی طرح محرف کتاب ہے۔ (۱۴) شریعت اسلام ۵۳۲ھ میں ان کے اماموں کے ہاتھوں معطل ہو چکی ہے اور اب معطل ہی رہے گی۔ (۱۵) اس مذہب کی بنیاد باطنی شریعت پر ہے جس کے رازدار ان کے ائمہ ہیں۔ (۱۶) قرآنی آیات کے معانی وہ نہیں جو اُن کے الفاظ سے سمجھ میں آتے ہیں بلکہ وہ ہیں جو تاویل کی رو سے ان کے ائمہ نے کئے ہیں۔ ان تاویلات کی بڑی عجیب غریب مثالیں کتاب میں درج کی گئی ہیں۔ (۱۷) امام سے اگر فواحش و منکرات کا بھی ارتکاب ہو جائے تو بھی اس کی امامت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ساری کتاب میں اسی قسم کے معتقدات کی تفاصیل اور ان کی مثالیں درج ہیں۔"

اسمٰعیلیوں کے یہ عقائد تو تعجب خیز ہیں ہی مگر اس سے بھی زیادہ حیران کن امر یہ ہے کہ جو علماء ذرا ذرا سے اختلافات پر "غیر مسلم اقلیت" قرار دینے کے مطالبے کیا کرتے ہیں وہ اسمٰعیلیہ فرقہ کے بارے میں کیوں خاموش ہیں؟

## ۵۔ طلوعِ اسلام سے ضروری سوال

ایڈیٹر صاحب طلوعِ اسلام کراچی لکھتے ہیں:۔

"طلوعِ اسلام نے پچھلے سال لکھا تھا کہ جماعت اسلامی کی ٹیکنک بھی وہی ہے جو میرزا غلام احمد صاحب نے اختیار کی تھی۔ میرزا صاحب نے مسلمانوں کی معاشرتی خرابیوں کو ایک ایک کر کے گنایا اور بتایا کہ وہ اصل اسلام کے حامل نہیں رہے۔ بات ٹھیک تھی مسلمان اس آواز کی طرف لپکے۔ مرزا صاحب نے جب صالحیت کی ہر جگہ نفی کر دی تو اس کے بعد اس خلا کو پورا کرنے کے لئے اثبات میں اپنی ذات کو پیش کر دیا اور کہہ دیا کہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے!

ہم نے کہا تھا کہ ایک رسول کا یہ مقام ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے یہ کہے کہ یہ سب بتکدہ ہے اور وہ خود مدعی توحید بنے۔ اسلئے کہ رسول اپنے ماحول کا پیدا کردہ نہیں ہوتا لیکن کسی غیر رسول کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ یہ کہے کہ میرے ماحول کی قیادت غیر صالح ہے اور میری قیادت صالح ہے۔ جماعت اسلامی کا یہی دعویٰ ہے۔ وہ موجودہ قیادت کے نقائص کو بے نقاب کرنے کے بعد علی الاعلان دعویٰ کرتی ہے کہ

آج جس نئی قیادت کی ضرورت عوام پاکستان میں محسوس کی جا رہی ہے اس کے بیج مشیتِ باری نے بہت پہلے سے بو رکھے تھے۔ یہ بیج ۱۹۴۱ء میں پھوٹے اور جماعت اسلامی وجود میں آئی۔ (قیادت نمبر ۳۲)

خود فرمایا آپ نے! جس طرح مرزا صاحب کی قیادت

مامور من اللہ تھی؛ اسی طرح جماعت اسلامی کی قیادت کے بیج بھی مشیت ربانی نے بہت پہلے سے بو رکھے تھے۔

طلوع اسلام یہ کہتا ہے کہ ہمارا پورے کا پورا معاشرہ خراب ہو چکا ہے اور جس قیادت کے ہاتھوں ہم اس درجہ نالاں و گریاں ہیں وہ ہماری ہی آئینہ دار ہے۔ جس قسم کا دودھ ہوگا اسی قسم کی بالائی آئے گی۔ یہ بات نہیں کہ ہمارا معاشرہ صالحین پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ مٹھی بھر مفسدین کہیں باہر سے آکر ہم پر مسلط ہو گئے ہیں، انہیں نکال دو معاشرہ صالح ہو جائے گا" یہ تصوّر ہی غلط ہے۔ ہمارے کھیت کا ہر کھیت خراب ہے۔ جس کے ہاتھ میں جس قدر قوت آتی ہے اسی قدر اس کی خرابی ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ ہم سب کے خون میں فساد ہو چکا ہے۔"

(مزاج شناس رسول صفحہ ۵۲-۵۳)

یہ بحث تو مودودیوں اور طلوع اسلام کے درمیان ہے کہ اوّل الذکر گروہ نے احمدیت کی تقلید کی ہے یا نہیں۔ مگر ہم طلوع اسلام یا بزعم خود "اہل قرآن" سے پوچھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کے رو سے اس ہمہ گیر فساد و خرابی کا مداوا تجویز کریں۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ قوم کے ہر کھیت میں اتنی بڑی خرابی پیدا ہو جائے اور پھر خدا تعالیٰ کی دستگیری اور اس کے مامور کی قوتِ قدسیہ کے بغیر خود بخود ہی دور ہو جائے؟ فتدبّروا۔

# اصحاب احمدؐ حصہ دوم

## (جلسہ سالانہ تک خاص رعایت)

حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی اس سوانح عمری کی تصنیف مکرم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان نے مختلف امور کے بارہ میں حضرت اُمّ المومنین نور اللہ مرقدہا، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت اماں جی اہلیہ حضرت خلیفہ اوّلؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مبارکہ بیگم صاحبہ، حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب، حضرت عرفانی صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی وغیرہم بزرگان سے مدد لی ہے۔ یہ تمام قیمتی مواد آپ کو ذیل کا قیمتی خزانہ دستیاب ہوگا۔

(۱) حضرت مسیح موعودؑ کے قریباً دو سو غیر مطبوعہ مکتوبات۔

(۲) صحابہ کرامؓ کے متعدد مکتوبات اور حضرت نواب صاحبؓ کی ڈائری جس میں حضور اقدسؑ کی مجالس کا ذکر ہے۔ (دونوں غیر مطبوعہ)

(۳) حضرت مسیح موعودؑ کے بعض غیر مطبوعہ رؤیا، کشف و الہام۔

(۴) حضورؑ کے بعض الہامات کی تاریخ نزول اور ایک الہام کے پورا ہونے کی قطعی تعیین۔

(۵) حضرت مسیح موعودؑ کے سفر مالیرکوٹلہ کے عرصہ کی تعیین۔

(۶) حضرت خلیفہ اوّلؓ کے قیام مالیرکوٹلہ کے عرصہ کی تعیین۔

(۷) بعض ۳۱۳ اور دیگر صحابہؓ کے متعلق مفید و نایاب معلومات۔

(۸) قیام خلافت اولیٰ و ثانیہ کے تفصیلی حالات۔

(۹) براہین احمدیہ کی اعانت کرنے والے ایک شخص کی تعیین اور ایک شخص کے حالات۔

(۱۰) مقامات مقدسہ قادیان کے نقشے۔

یہ تاریخی نوادر کا مجموعہ فی نسخہ روپیہ کی لاگت سے تیار ہوا ہے بعض مخیر احباب کی امداد کی وجہ سے اس کی قیمت لاگت سے بھی کم یعنی چھ روپیہ رکھی گئی تھی لیکن اس خاطر کہ ہر طبقہ کے احمدی احباب تک کتاب پہنچ سکے جلسہ سالانہ تک کے لئے ذیل کی رعایتیں کی جاتی ہیں:۔

(۱) جو دوست یکمشت قیمت ادا کر دیں ان سے چار روپیہ قیمت لی جائے گی۔

(۲) مالی طاقت نہ رکھنے والے احباب اور طلباء سے ان کے لکھنے پر نصف قیمت (تین روپیہ) قبول ہوگی۔ ایسے احباب ایک روپیہ ماہوار کی قسطیں بھی قبول کر لی جائیں گی۔

نوٹ:۔ رقم دفتر محاسب ربوہ و قادیان میں ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان کی ذاتی امانت میں بھیجی جا سکتی ہے۔ اخراجات ڈاک بذمہ خریدار ہوں گے۔

خط و کتابت کا پتہ:۔ انوار الحسن۔ دار المسیح۔ قادیان